التبیین
فی
مسئلة التعجین
نماز میں اُٹھتے وقت آٹا گوندھنے
والے کی طرح اُٹھنے کی علمی تحقیق
اس تحقیقی مضمون میں ثابت کیا گیا ہے کہ حدیث عاجن العجین ضعیف و منکر
روایت ہے۔ اور خود علامہ البانی کے اصول کے مطابق بھی یہ روایت ضعیف ہے
تحریر
محمد علی خاصخیلی (ایم۔ ایس۔ سی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریظ

الحمد للہ رب العلمین و الصلوٰۃ والسلام علیٰ

سیّد المرسلین. اما بعد!

میرے بھائی جناب محمد علی صاحب نے مسئلہ تعجین پر ایک تحقیقی رسالہ تحریر کیا ہے جس کا میں نے شروع سے آخر تک مطالعہ کیا ہے۔

نماز میں ہاتھوں پر اعتماد کر کے کھڑے ہونا چاہیے یا پھر مٹھی بند کر کے کھڑے ہونا چاہیے، صحیح احادیث سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ نماز میں دونوں ہاتھوں پر اعتماد کرنا چاہیے، اصولِ حدیث کی روشنی میں مٹھیوں پر اعتماد کرنے والی حدیث ضعیف ہے۔ بعض جدید علماء نے اصول حدیث سے روگردانی کرتے ہوئے حدیثِ عجن کو صحیح قرار دینے کی کوشش کی ہے۔

جناب محمد علی بھائی نے اس رسالہ میں اس حدیث اور مخالفین کے جدید و متناقض اصولوں کا تفصیلی جائزہ لیا ہے اور فریقِ مخالف کے شبہات کے مدلل و مفصل جوابات دیے ہیں، اللہ تعالیٰ انھیں جزائے خیر عطا فرمائے اور ہمیں احادیث کی تحقیق میں اصول حدیث و قواعد کی پابندی کرنے کی توفیق بخشے،

آمین

زبیر علیزئی۔ حضرو اٹک۔

2.10.99

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

الحمدللہ، والصلاۃ والسلام علیٰ رسول اللہ، وعلیٰ صحبہ و من

اھتدی بھداہ، اما بعد!

امام محمد ناصر الدین البانی حفظہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں۔ انکا شمار ان چند گنے چنے علماء کرام میں ہوتا ہے جنہوں نے اپنی پوری زندگی علم حدیث کیلئے وقف کر رکھی ہے۔ علامہ صاحب کم و بیش ایک صد کتب کے مؤلف ہیں جن سے پوری دنیا کے علماء و عوام فیض حاصل کر رہے ہیں۔

علامہ البانی صاحب علم اسماء الرجال میں بھی کامل دسترس رکھتے ہیں، جسکا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ اہل علم احادیث کی تصحیح و تضعیف میں انکے اقوال پر اعتماد کرتے ہیں بلکہ بعض تو حجت سمجھتے ہیں۔

لیکن ان تمام باتوں کے علی الرغم اس حقیقت سے انکار بھی نہیں کیا جاسکتا کہ بشری تقاضوں کی بناء پر علامہ صاحب سے اوہام بھی سرزد ہوتے ہیں جن کی نشاندہی علماء کرام کرتے آئے ہیں اور یہ کوئی عیب نہیں بلکہ فطرت انسانی ہے۔ کبار ائمہ کرام مثلاً امام مالکؒ، امام شعبہؒ، امام وکیعؒ بھی خطاء و نسیان سے محفوظ نہ تھے (میزان الاعتدال ٤/٣٠١-٣٠٢)۔ بلکہ امام عبداللہ بن مبارک اور امام ذہبی تو بہانگ دھل یہ کہتے ہیں کہ کون ہے جو خطاء و نسیان سے محفوظ رہا ہو؟
(مقدمۃ لسان المیزان ١/١٧ و میزان الاعتدال ٣/١٤٠)۔

چنانچہ امام البانی کے اوہام میں سے ایک وہم حدیث عجن کی تحسین بھی ہے علامہ موصوف نے اس حدیث کو ایک شاذ قاعدے کی بناء پر حسن کہا ہے بلکہ اس سلسلے میں کیے گئے اعتراضات کے جوابات بھی دیے ہیں۔

اس پرفتن دور میں، جہاں ذوق تحقیق تقریباً ناپید ہو چکا ہو، علماء کی تحقیق

پر بلا تحقیق اعتماد ہوتا ہو اور انکی تقلید اپنے عروج پر ہو، مسائل کی تحقیق کا مدار دلائل کے بجائے شخصیات پر ہو۔ تو ایسے شخصیت پرستی کے دور میں یہ ضروری تھا کہ اس طرح کے جدید اصولوں کی تحقیق کی جائے اور انکی حیثیت عوام و خواص پر عیاں کی جائے۔ اس تحقیق کا بنیادی مقصد بھی یہی ہے۔

رسالہ "التبیین فی مسئلۃ العجین" (طبع اول) دراصل ایک سائل کے سوال کا مختصر جواب تھا، جسے مکتبہ اہل حدیث ٹرسٹ کراچی نے ۱۹۹۹ء میں شائع کیا۔ اس رسالہ کو علمی حلقوں میں خوب پذیرائی حاصل ہوئی اور متعدد علماء کرام اور اکثر احباب نے یہ اصرار کیا کہ اس رسالہ کو مزید دلائل کے ساتھ مزین کرکے تفصیل کے ساتھ شائع کیا جائے۔ لہٰذا ان احباب کی خواہش اور اصرار کا احترام کرتے ہوئے رسالہ مذکور کا دوسرا ایڈیشن حاضر خدمت ہے۔

زیر نظر رسالہ میں ہم نے "الدین النصیحۃ" کے تحت علامہ البانی کے بیان کردہ قاعدے اور اسکی بناء پر حدیث عجن کی تحسین کا اصول حدیث و قواعد محدثین کی روشنی میں تفصیل سے جائزہ لیا ہے اور ناقابل تردید دلائل اور متعدد امثلہ سے اس قاعدے کو غلط اور حدیث عجن کو ضعیف ثابت کیا ہے۔

اس رسالہ میں جہاں مزید علمی معلومات اور دلائل ذکر کیے گئے ہیں وہاں غیر ضروری مباحث کو بھی حذف کردیا گیا ہے نیز طبع اول کی اغلاط کی بھی درستگی کردی گئی ہے۔

آخر میں بمقتضائے حدیث "لا یشکر اللہ من لا یشکر الناس" (ابو داؤد وغیرہ) میں ان تمام احباب کا شکر گزار ہوں جنہوں نے اس رسالہ کی اشاعت میں مختلف قسم کا تعاون کیا۔ خاص طور پر جناب حافظ زبیر علیزئی صاحب، جنہوں نے نظر ثانی کے بعد تقریظ تحریر فرمائی، جناب پروفیسر محمد ابراہیم بھٹی صاحب، جنہوں نے طباعت کا انتظام فرمایا، اور جناب ڈاکٹر ابو جابر عبداللہ دامانوی صاحب اور محترم بھائی ابو

...ناصر اصغر علی صاحب کا جنہوں نے مراجع و مصادر مہیا فرمائے۔

جزاهم الله جميعا أحسن الجزاء

آخر میں قارئین سے، خصوصاً علماء کرام سے گزارش ہے کہ اگر انہیں کسی مقام پر غلطی یا وہم نظر آئے تو اس سے ضرور مطلع فرمائیں۔ ان شاء اللہ آئندہ ایڈیشن میں اسکی اصلاح کر دی جائے گی۔

وهو سميع قريب مجيب

وصلى الله وسلم على نبيه محمد و على آله و صحبه اجمعين

خادم العلم و العلماء

ابو المنيب محمد علي خاصخيلي

۳۰ شعبان المعظم ۱۴۲۰ھ مطابق ۹ دسمبر ۱۹۹۹ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

امام محمد ناصر الدین الالبانی کے قاعدے اور اسکی بنیاد پر حدیث کی تحسین پر یہ مضمون خاص علمی نوعیت کا ہے، اور اس میں متعدد مقامات پر اصول حدیث، قواعد جرح و تعدیل کا تذکرہ بار بار آیا ہے۔ لہذا ہم ان اصطلاحات کی مختصر تعریف و توضیح کو ذکر کرنا مناسب سمجھتے ہیں تاکہ عام قارئین بھی اس سے مستفید ہوں۔

صحیح حدیث: وہ حدیث جس کے تمام راوی عادل کامل الضبط ہوں، اسکی سند متصل ہو اور وہ شاذ نہ ہو اور نہ ہی اس میں کوئی علت ہو۔

راویوں کی **عدالت:** عادل اس راوی کو کہتے ہیں جو مسلمان، عاقل، بالغ اور منصف مزاج ہو اور کبیرہ گناہوں سے اجتناب کرتا ہو۔

راویوں کا **ضبط:** یعنی ہر راوی مضبوط حافظہ کا مالک ہو اور جس حدیث کو سنا ہو اسکو اپنے سینے میں محفوظ کر لیا ہو یا کتاب میں لکھ لیا ہو۔

شذوذ: یہ ہے کہ ایک ثقہ راوی اپنے سے زیادہ ثقہ راوی کی مخالفت کرے۔ یعنی اگر ثقہ راوی نے (روایت بیان کرنے میں) ایسے شخص کی مخالفت کی جو ضبط (یعنی حافظہ) یا تعداد یا کسی وجوہ ترجیح میں اس سے راجح ہو تو اسکی حدیث شاذ اور مقابل کی (یعنی زیادہ ثقہ و حافظ کی) حدیث کو محفوظ کہا جاتا ہے۔

شذوذ سند و متن دونوں میں واقع ہوتا ہے۔ سند میں اسطرح ہوتا ہے کہ ایک ثقہ راوی نے ایک روایت کو موقوف بیان کیا ہو جبکہ اس سے زیادہ ثقہ راوی (یا راویوں) نے اسے مرفوع بیان کیا ہو، اس صورت میں جس نے موقوف بیان کیا ہے اسکی روایت شاذ ہوگی اور مرفوع روایت محفوظ کہلائے گی، اور متن میں شذوذ یہ ہے کہ ایک ثقہ راوی حدیث کے متن میں اسطرح کا اضافہ کرے جو کہ اس سے زیادہ ثقہ راویوں نے وہ اضافہ بیان نہ کیا ہو، ایسی صورت میں اس ایک ثقہ راوی کا ایک تو متن

میں اضافہ کی وجہ سے متفرد ہو گا اور دوسرے یہ کہ اپنے سے اوثق روایت کی مخالفت ہو گی۔ لہذا ایسے راوی کی روایت مذکورہ علتوں کی بناء پر شاذ و مرجوح ہو گی۔

نوٹ :۔ شاذ روایت کا شمار ضعیف احادیث میں ہوتا ہے۔

حسن حدیث:۔ وہ حدیث جس کے تمام راوی عادل ہوں اور اسکی سند متصل ہو، مگر اسکے حافظہ میں کچھ کمزوری ہو۔

ضعیف حدیث:۔ وہ حدیث جس میں صحیح یا حسن حدیث کی شرائط میں سے کوئی ایک یا تمام شرائط نہ پائی جائیں یا ہر وہ حدیث جو حسن حدیث کے مرتبے تک پہنچنے سے قاصر ہو، ضعیف حدیث کہلاتی ہے۔ نیز اسکی بہت سی اقسام ہیں اور اسکے درجات میں بھی تفاوت ہے۔

منکر:۔ وہ حدیث جس میں ضعیف راوی ثقہ راوی کی مخالفت کرے یا جس راوی سے بکثرت غلطیاں صادر ہوں، یا غفلت کی زیادتی یا فسق پایا جائے تو اسکی روایت بھی منکر کہلائے گی۔

غریب:۔ اس حدیث کو کہتے ہیں جسے صرف ایک ہی راوی نے روایت کیا ہو یا بالفاظ دیگر کسی حدیث کی سند میں صرف ایک راوی رہ گیا ہو، غریب کہلاتی ہے۔

نوٹ:۔ منکر حدیث کا شمار ضعیف احادیث میں ہوتا ہے جبکہ "غریب" کا مدار اسکے راویوں پر ہے یعنی اسکے تمام راوی ثقہ یا صدوق ہوں اور اس میں کوئی اور علت بھی نہ ہو تو پھر یہ روایت معتبر ہو گی ورنہ نہیں۔

مجہول الحال یا مستور:۔ وہ راوی جس سے دو یا دو سے زیادہ راوی روایت کرتے ہوں لیکن اسکی توثیق یا تجریح معلوم نہ ہو۔

مجہول الحال یا مستور راوی کی روایت کے قبول ورد میں درج ذیل مذاہب ہیں۔

ا۔ جمہور محدثین نے اسکی روایت کو رد کر دیا ہے۔

ب۔ امام البزارؒ اور دارقطنیؒ کی طرف یہ قول منسوب ہے کہ وہ اسکی روایت

کو قبول کرتے ہیں (نیز امام ابن حبانؒ کے نزدیک مستور و مجہول راوی ثقہ ہوتا ہے)۔

ج۔ حافظ ابن حجرؒ اور امام الحرمینؒ نے اسکی روایت کے قبول ورد میں توقف کیا ہے تاوقتیکہ اس راوی کا حال معلوم نہ ہو جائے۔

(ضوابط الجرح والتعدیل ص ۸۵۔۸۶، نیز شرح النخبۃ ص ۱۰۰۔۱۰۱، بھی ملاحظہ فرمایئے)

امام دار قطنیؒ کا جو مسلک یہاں ذکر کیا گیا ہے اسے امام سخاویؒ نے امام دار قطنیؒ کی طرف منسوب کیا ہے (فتح المغیث ۱/ ۳۵۱۔۵۲) مگر ہماری تحقیق کے مطابق یہ درست نہیں۔

امام دار قطنیؒ کی جس عبارت کو پیش کیا گیا ہے وہ اصل میں اسطرح ہے

"و ارتفاع اسم الجهالة عنه ان يروى عنه رجلان فصا عدا فاذا كان هذه صفته ارتفع عنه اسم الجهالة و صار حينئذ معروفا......الخ"

(سنن الدار قطنی كتاب الحدود والديات وغيره ج ۳/ ۱۷٤)

"یعنی راوی سے اسم جہالت تب رفع ہو گا جب اس سے دو یا دو سے زیادہ راوی روایت کریں پس جب اسکی یہ صفت ہو گی تو اس سے اسم جہالت رفع ہو جائے گا اور وہ راوی معروف ہو جائے گا"۔

اور جو عبارت امام سخاویؒ نے دار قطنیؒ کے حوالے سے نقل کی ہے وہ اسطرح ہے۔

"من روى عنه ثقتان فقد ارتفعت جهالته و ثبتت عدالته"

"یعنی جس سے دو ثقہ راوی روایت کریں تو اسکی جہالت رفع ہو جاتی ہے اور اسکی عدالت ثابت ہو جاتی ہے"۔

امام سخاویؒ نے اس عبارت کو امام دار قطنیؒ کی طرف منسوب کر کے انکا یہ مسلک بتلایا ہے۔ لیکن ہمیں نہیں معلوم کہ امام دار قطنیؒ کی یہ عبارت کہاں ہے

اصل عبارت ہم نے نقل کردی ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کسی مجہول راوی سے دو یا دو سے زائد راوی روایت کریں تو اسکی جہالت ختم ہو جاتی ہے اور وہ راوی معروف ہو جاتا ہے، مگر اسکی عدالت ثابت نہیں ہوتی کیونکہ راوی کے معروف ہونے اور عادل ہونے میں بہت فرق ہے۔ چنانچہ امام خطیب بغدادی فرماتے ہیں۔

" اقل ما ترتفع به الجهالة ان يروی عنه اثنان فصاعدا من المشهورين بالعلم الا انه لا يثبت له حكم العدالة بروايتهما عنه"۔

(لسان الميزان ۱/ ۱٤، الكفاية في علم الرواية للخطيب البغدادي ص۸۸)

لہذا راوی مجہول سے معروف ضرور ہو جاتا ہے مگر اسکی عدالت ثابت نہیں ہوتی اور جمہور محدثین کا مسلک بھی یہی ہے۔

نیز خود امام دار قطنیؒ نے ایسے کئی رواۃ کو مجہول وغیرہ کہا ہے جس سے دو یا دو سے زائد راویوں نے روایت کیا ہے مثلاً :۔

۱۔ عبید بن سلمان الکلبی (التہذیب ص ۷/ ۶۱)

۲۔ وهثم بن قران

(تعليقات الدار قطني على المجروحين ص ۹۷ كتاب الضعفاء و المتروكين ص ۸۸)

۳۔ عبدالرحمٰن بن رزین (سنن الدار قطنی ۱/ ۱۹۸ ،میزان الاعتدال ۲/ ۵٦۰)

۴۔ موسیٰ بن یسار (تعليقات الدار قطني ص ۱۳٤)

۵۔ عبداللہ بن یحیٰ البرلسی (ميزان الاعتدال ۲/ ۵۲٤)

۶۔ موسیٰ بن ہلال العبدی (لسان الميزان ٦/ ۱۳٦)

۷۔ ابو سورہ (كتاب الضعفاء و المتروكين ص ۱۸۵، التهذيب ۱۲/ ۱۳٦)

۸۔ ابو ظلال (سنن الدار قطنی ۲/ ۸۳، ميزان ٤/ ۵٦۱، اللسان ۷/ ۹۰)

۹۔ زهير بن عباد (ميزان الاعتدال ۲/ ۸۳)

ان امثلہ سے نہ فقط امام سخاوی کی تردید ہوتی ہے بلکہ امام دار قطنی کا

مسلک بھی واضح ہوتا ہے۔ باقی رہا حافظ ابن حجرؒ کا مسلک کہ مجہول الحال راوی کی روایت میں توقف کیا جائے گا، تو واضح رہے کہ توقف سے مراد روایت کا مردود ہونا ہے۔ خود حافظ ابن حجرؒ اس "توقف" کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں

" واذا توقف عن العمل به صار كالمردود ، لا لثبوت صفة الرد بل لكونه لم توجد فيه صفة توجب القبول" (شرح نخبة الفكر ص ۲۰ ط۔ بيروت)

"یعنی روایت پر عمل کرنے سے توقف سے مراد روایت کا مردود ہونا ہے اگرچہ مردود اس وجہ سے نہیں کہ اس کے رواۃ میں اوصاف رد ہیں بلکہ اس لیے کہ ان میں اوصاف قبولیت کے موجود نہیں"۔

اور یہی بات جناب عبدالعزیز بن محمد (الاستاذ المساعد بكلية الحديث الشريف و الدراسات الاسلاميه، الجامعة الاسلامية بالمدينة المنورة) نے اپنی کتاب ضوابط الجرح و التعديل ص ۸٦ کے حاشیہ میں کہی ہے۔

لہذا مجہول الحال یا مستور راوی کے متعلق محدثین کا مسلک ہی درست و قابل حجت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

اسباب ترجیح:۔ یعنی جب دو صحیح مگر متضاد روایتوں میں تطبیق ممکن نہ ہو تو پھر ایک کو راجح اور دوسری کو مرجوح قرار دیا جاتا ہے، اس سلسلہ میں محدثین نے "ترجیح" کے متعدد اسباب ذکر کیے ہیں جن میں سے چند ایک کا ذکر ہم درج ذیل سطور میں کرتے ہیں۔

۱):۔ دونوں روایتوں میں سے کسی ایک کے راوی صحیح بخاری کی رواۃ میں سے ہوں۔

۲):۔ دونوں روایتوں میں سے کسی ایک روایت کے بیان کرنے والے راوی تعداد میں زیادہ ہوں۔

۳):۔ جس روایت کے متابع زیادہ ہوں وہ راجح ہو گی۔

۴):۔ دونوں روایتوں میں سے کوئی ایک غیر مختلف فیہ ہو یعنی کسی ایک روایت (کی

سند و متن) میں اختلاف ہو تو وہ مرجوح ہوگی۔

۵):۔ قوی اسناد والی روایت راجح ہوگی۔

۶):۔ کسی ایک روایت کے راوی دوسری (مقابل) روایت کے راویوں سے ثوثق ہوں۔

ان اسباب ترجیح کی تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو۔ (ارشاد الفحول للشوکانی ۳۸۱/۲ ط. مصر، قواعد التحدیث للقاسمی ص ۳۱۳ ـ ۳۱۵، وتوجیہ القاری فی فتح الباری للحافظ ثناء اللہ الزاھدی ص ۱۳۳ـ ۱۳۸، التعارض والترجیح بین الادلۃ الشرعیۃ للشیخ عبداللطیف عبداللہ ج ۲ / ۱۵۲ طبع بیروت وغیرھا۔

☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم :

ان الحمد للہ نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ و نعوذ باللہ من شرور انفسنا و سیئات أعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضلل فلا ھادی لہ و أشھد أن لا إلہ إلا اللہ و أشھد أن محمداً عبدہ و رسولہ. امابعد!

معلوم ہونا چاہیے کہ رسول اللہ ﷺ جب دوسرے سجدے سے فارغ ہوتے تو بیٹھ جاتے اور پھر ہاتھوں کو زمین پر رکھتے اور ہاتھوں کا سہارا لے کر کھڑے ہو جاتے۔

چنانچہ جناب مالک بن الحویرث رسول ﷺ کی نماز کا طریقہ تعلیم فرماتے ہیں:

"واذا رفع رأسہ عن السجدۃ الثانیۃ جلس و اعتمد علی الارض ثم قام". (صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ باب کیف یعتمد علی الارض اذا قام من الرکعۃ)۔

"اور جب وہ دوسرے سجدے سے فارغ ہوتے تو بیٹھ جاتے اور زمین پر (ہاتھ) ٹیکتے پھر کھڑے ہو جاتے"۔

نیز ملاحظہ فرمائیں:

السنن الکبریٰ للبیھقی (۱۲٤/۲ و ۱۳۷) کتاب الام للشافعی (۱۰۱/۱) سنن النسائی ۲۳٤/۲ (۱۱۵۳) طبع حلب۔

رسول اللہ ﷺ کی عادت مبارک تھی کہ آپ ﷺ طاق رکعت پڑھ کر پہلے بیٹھ جاتے پھر کھڑے ہوتے۔ چنانچہ مالک بن الحویرث بیان کرتے ہیں

انہ رای النبی ﷺ یصلی فاذا کان فی وتر من صلاتہ لم ینھض حتی یستوی قاعدا. (صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ باب من استوی قاعدا فی وتر من صلاتہ ثم نھض)۔

"انہوں نے نبی کریم ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھا جب آپ ﷺ طاق رکعت (پہلی یا تیسری) پڑھ لیتے تو اس وقت تک کھڑے نہ ہوتے جب سیدھے بیٹھ نہ جاتے"

جناب حافظ ابن حجر العسقلانی اوپر والی حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"والغرض منه هنا ذكر الاعتماد على الارض عند القيام من السجود او الجلوس"۔ (فتح الباری شرح صحیح البخاری ۲/ ۳۰۳ط۔لاهور، ۳۵۳/۲ طبع دار الريان)

"اور امام بخاریؒ کا اس حدیث کو یہاں بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ سجود یا جلوس سے کھڑے ہوتے وقت دونوں ہاتھوں کو زمین پر ٹیکا جائے"۔

اس بات کی مزید وضاحت جناب عبداللہ بن عمرؓ کی روایت میں ہے۔

جناب الازرق بن قیسؒ فرماتے ہیں۔

رأيت ابن عمر اذا قام من الركعتين اعتمد على الارض بيديه فقلت لولده ولجلسائه لعله يفعل هذا من الكبر؟ قالو لا ولكن هذا يكون"۔

السنن الكبرى ۲/ ۱۳۵، وقال الالبانی هذا اسناد جید رجاله ثقات كلهم (الضعيفة ۳۹۲/۲)

"میں نے جناب عبداللہ بن عمرؓ کو دیکھا کہ جب وہ دو رکعتوں کے بعد کھڑے ہوتے تو زمین پر اپنے ہاتھوں کو ٹیکتے۔ میں نے ان کے بیٹے اور ان کے ساتھیوں سے کہا کہ شاید وہ بڑھاپے کی وجہ سے ایسا کرتے ہوں گے؟ تو انہوں نے کہا نہیں یہ عمل اسی طرح سے ہے" (یعنی سنت ہے)۔

دوسری روایت میں جناب نافعؒ ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں:

"انه كان يقول اذا رفع رأسه من السجدة معتمداً على يديه قبل ان

يرفعهما"۔ (مصنف عبد الرزاق ۱۷۸/۲۔۱۷۹ و سنده صحيح)

یعنی "جب وہ اپنے سر کو سجدہ سے اٹھاتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھانے سے پہلے (زمین پر) ٹیکتے"۔

ان احادیث سے واضح ہو گیا کہ اگلی رکعت کیلئے کھڑے ہونے سے پہلے دونوں ہاتھوں کو زمین پر ٹکا کر کھڑا ہوا جائے۔ اور اسی طرح جب سجدے کیلئے جھکا جائے تو پہلے ہاتھوں کو زمین پر ٹکایا جائے اور پھر زمین پر گھٹنوں کو رکھا جائے اور پھر سجدہ کیا جائے۔ اور یہی بات صحیح احادیث سے ثابت ہوتی ہے۔

جناب نافعؒ بیان کرتے ہیں۔

"انه كان يضع يديه قبل ركبتيه وقال كان رسول الله ﷺ يفعل ذالك"۔ (صحيح ابن خزيمة ۱/ ۳۱۹، المستدرك ۲۲۶/۱، وقال الحاكم هذا حديث صحيح على شرط مسلم ولم يخرجاه واقره الذهبی)۔

"جناب عبداللہ بن عمرؓ اپنے دونوں ہاتھوں کو گھٹنوں سے پہلے (زمین پر) رکھتے تھے اور فرماتے کہ رسول اللہ ﷺ بھی ایسا ہی کرتے تھے"۔

ایک دوسری حدیث میں جناب ابو ہریرہؓ، نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں:

"اذا سجد احدكم فلا يبرك كما يبرك البعير و ليضع يديه قبل ركبتيه"۔ (سنن ابی داؤد مع مختصر المنذری ۳۹۸/۱، سنن النسائی۲۰۷/۲ (۱۰۹۱)، الدارمی ۱/ ۳۴۷ مسند احمد مع فتح الربانی ۳/ ۲۷۶، وقال الالبانی اسناده صحيح تحقيق المشكاة (۲۸۲/۱) وقال فی مقام اخر: اخرجه ابوداؤد والنسائی وجماعة واسناده جيد كما قال النووی والزرقانی وقواه الحافظ ابن حجر۔ (تمام المنة ص ۱۹۴)۔

"جب تم میں سے کوئی سجدہ کرے تو اونٹ کی طرح نہ بیٹھے بلکہ دونوں ہاتھوں کو گھٹنوں سے پہلے ٹکائے"۔

ان احادیث میں ہاتھوں کو زمین پر لگانے سے ہاتھوں کی ہتھیلیوں کے ذریعے زمین کا سہارا لینا مراد ہے، اور اس کی وضاحت متعدد احادیث سے بھی ہوتی ہے، اور اس کی چند مثالیں ہم یہاں پیش کرتے ہیں:

(۱) عن ابن عباسؓ قال قال رسول الله ﷺ امرت ان اسجد علی سبعة اعظم علی الجبهة...... والیدین والرکبتین و اطراف القدمین ... الحدیث۔

(بخاری مع الفتح ۲۹۷/۲۔ مسلم ۴۵۳/٤ سنن النسائی ۲۰۹/۲ (۱۰۹۷) سنن الدارمی ۳٤٦/۱ وغیرھا)۔

"جناب عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، مجھے سات ہڈیوں پر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے، یعنی پیشانی، دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنوں اور پاؤں کے پنجے پر"۔

اس حدیث میں دونوں ہاتھوں سے ہاتھوں کی ہتھیلیاں زمین پر رکھنی مراد ہیں۔ چنانچہ مسلم(۳۵۲/۴) وغیرہ کی ایک روایت میں "الکفین والرکبتین والقدمین والجبهه" یعنی دونوں ہتھیلیاں، دونوں گھٹنے، دونوں پاؤں اور پیشانی کے الفاظ آئے ہیں اور "الیدین" کی وضاحت خود اس حدیث میں "الکفین" (دونوں ہتھیلیوں) سے کر دی گئی ہے۔

(۲) جناب وائل بن حجرؓ ایک طویل حدیث میں نبی کریم ﷺ کی نماز کا حال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"فلما سجد سجدلین کفیه" - (صحیح مسلم ٤/٥٨-٣٥٧)۔ وغیرہ

"یعنی جب آپ ﷺ نے سجدہ کیا تو دونوں ہتھیلیوں کے درمیان کیا"۔

اس حدیث میں بھی (الیدین) کی وضاحت (کفیه) یعنی دونوں ہتھیلیوں سے کی گئی ہے۔

(۳) جناب عمار بن یاسرؓ کے ایک طویل قصے میں آپ ﷺ کا ان کو تیمم سکھانے

کا طریقہ مذکور ہے، چنانچہ اس حدیث کے آخر میں ہے کہ

"ثم ضرب بیدیه الارض ضربة واحدة ثم مسح الشمال علی الیمین و ظاهر کفیه ووجهه"۔ (مسلم٤/٣٠١-٣٠٠ طبع بیروت)

"یعنی پھر آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو ایک بار زمین پر مارا پھر بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ پر، ہتھیلیوں کی پشت پر اور اپنے چہرے پر ملا"۔

اس حدیث میں (بیدیه) کے الفاظ ہیں جبکہ دوسری حدیث میں اس کی تشریح (ضرب بکفیه الارض) (یعنی زمین پر اپنی ہتھیلیوں کو مارا) کے ساتھ وارد ہے۔ (صحیح بخاری مع الفتح ٥٢٨/١)

یہاں پر بھی ہاتھوں سے مراد ہتھیلیاں ہیں۔

(۴) جب رسول اللہ ﷺ مردوں سے بیعت لیتے تھے تو ان کے ہاتھوں پر لیتے تھے لیکن عورتوں سے ہمیشہ زبانی بیعت لیتے تھے، مگر ان کے ہاتھوں کو کبھی بھی نہیں چھوا۔ چنانچہ بی بی عائشہؓ فرماتی ہیں:

"ما مست ید رسول الله ﷺ ید امرأة الا امرأة یملکها"۔

یعنی آپ ﷺ کا ہاتھ اپنی عورت (بیوی یا لونڈی) کے علاوہ کسی غیر عورت کا ہاتھ نہیں لگا۔

(صحیح بخاری مع فتح الباری جلد ۱۳ /۲۱٦، مسلم ۱۳ /۱۳-۱٤، الترمذی مع احمد شاکر ٣٨٣/٥، ابن ماجه ص ۲۱۲، مسند احمد مع فتح الربانی ۳٥۱/۱۷)۔

یہاں بھی ہاتھ سے مراد ہتھیلی ہے جیسا کہ مسلم(۱۳/۱۳-۱٤) اور سنن ابن ماجہ (ص ۲۱۲) میں اس کی صراحت موجود ہے۔

(۵) مصعب بن سعد کی حدیث میں تطبیق یعنی حالت رکوع میں دونوں ہاتھوں کو ملا کر رانوں کے درمیان رکھنے کا ذکر ہے۔ لیکن یہ عمل بعد میں منسوخ ہو گیا، پھر اللہ

کے رسول ﷺ نے ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھنے کا حکم دیا۔ چنانچہ جناب سعدؓ اپنے بیٹے مصعب سے فرماتے ہیں کہ

"کنا نفعله فنهينا عنه و امرنا ان نضع ايدينا على الركب" (بخاری مع فتح الباری ۲ /۳۱۹ مسلم ۵ /۲۰ ۔ ۲۱، ابوداؤد مع مختصر المنذری ۱ /۱۸ ۔ ۴۱۷)

"یعنی ہم ایسا ہی کرتے تھے تو ہمیں اس سے منع کیا گیا اور ہمیں حکم دیا گیا کہ ہم اپنے ہاتھ گھٹنوں پر رکھیں"۔

اس حدیث میں "ایدینا" کے الفاظ ہیں جبکہ دوسری حدیث میں "کفیك" کے الفاظ آتے ہیں۔ ملاحظہ ہو سنن النسائی (۲/ ۱۸۵) لہٰذا واضح ہوا کہ یہاں بھی ہاتھوں سے مراد "ہتھیلیاں" ہیں۔

بعض امثلہ تو ایسی بھی ہیں جن میں "یدین" کی تشریح "کفین" سے تو نہیں ملتی البتہ اس سے مراد "کفین" ہی ہوتی ہے۔ مثلاً ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب استنجاء وغیرہ سے فارغ ہوتے تو پھر

"ثم مسح يده على الارض" (ابو داؤد مع مختصر المنذری ۱/ ۳۹، النسائی ۱/ ۴۵ (۵۱)، ابن ماجه ص ۳۰، الدارمی ۱/ ۱۸۳، وحسنه الالبانی (تحقيق المشكاة ۱/ ۱۱۶ (۳۶۰)۔

"یعنی اپنا ہاتھ زمین پر ملتے"۔

یہاں (ید) یعنی ہاتھ کی وضاحت "ہتھیلی" سے مجھے نہیں ملی (واللہ اعلم) لیکن ظاہر ہے کہ استنجاء وغیرہ مٹھی یا مٹے سے تو ہوتا نہیں، ہاتھ مع ہتھیلی سے ہی ہوتا ہے۔ لہٰذا یہاں عدم تصریح کے باوجود "ہاتھ" سے مراد "ہتھیلی" ہی ہوگی اسی طرح دوسری مثال مصافحہ کی لے لیں۔

جناب انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا اے اللہ

کے رسول ﷺ ہم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی یا دوست سے ملاقات کرے تو کیا اس کے لیے وہ جھکے؟ آپ ﷺ نے فرمایا! نہیں، عرض کیا اس سے گلے مل کر بوسہ دے؟ آپ نے فرمایا! نہیں

"قال فيأخذ بيده و يصافحه؟ قال نعم"۔ (سنن الترمذی مع احمد شاکر ۵/ ۷۱ ۔ ۷۰ وقال الترمذی هذا حديث حسن، مسند احمد مع الفتح ۱۷/ ۳۴۷، السنن الكبرى ۷/ ۱۰۰ و حسنه الالبانی۔ تحقيق المشكاة ۳/ ۱۳۲۷ (۴۶۸۰)۔

اس شخص نے پوچھا کیا اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیکر اس سے مصافحہ کرے تو آپ ﷺ نے فرمایا! ہاں۔

حافظ ابن حجر العسقلانی" فرماتے ہیں

"المصافحة هي مفاعلة من الصفحة والمراد بها الا فضاء بصفحة اليد الى صفحة اليد" (فتح الباری ۱۱/ ۵۷ طبع دارالریان)۔

"لفظ مصافحہ باب "مفاعلة" اور "صفحة" سے مشتق فعل مصدر کا صیغہ ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ کسی شخص کا اپنے داہنے ہاتھ کی ہتھیلی (باطن کف) کو دوسرے شخص کے داہنے ہاتھ کی ہتھیلی (باطن کف) سے ملانا"۔

اس حدیث میں بھی ہاتھ سے مراد ہتھیلی ہے اس طرح سے اور بھی بہت سے مثالیں بیان کی جا سکتی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ہاتھ سے مراد عموماً ہتھیلی ہی ہے اور لغت کی کتابوں مثلاً المنجد اور لغات الحدیث از علامہ وحید الزماں وغیرہ میں بھی ہاتھ کا یہی مطلب لکھا ہوا ہے۔

اس بحث سے یہ ثابت ہوا کہ سجدہ یا تشہد سے اٹھتے ہوئے دونوں ہتھیلیوں کو زمین پر ٹیک کر اٹھا جائے اور ان احادیث مگر میں مٹھی کا لفظ موجود نہیں ہے۔ اس پر اتفاق ہے کہ سجدہ میں جاتے وقت ہتھیلیوں کو زمین پر رکھا جائے اور جب یہ بات

ثابت شدہ اور واضح ہے تو پھر اٹھتے وقت اس کی ہیئت کیسے تبدیل ہو جائے گی؟۔

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ سجدہ یا تشہد سے اٹھتے وقت آٹا گوندھنے والے کی طرح انگلیوں کو بند کر کے اور مکا مار کر اور انگلیوں کی پشت کو زمین پر ٹکا کر اٹھا جائے اور اس مسئلہ کو علامہ محمد ناصر الدین الالبانی حفظہ اللہ تعالیٰ نے مدلل کر کے پیش کیا ہے اور اس مسئلہ میں ان کی بنیادی دلیل یہ ہے۔

جناب الازرق بن قیسؒ فرماتے ہیں

"رأيت ابن عمر يعجن في الصلوٰة يعتمد على يديه اذا قام فقلت له ؟ فقال رأيت رسول الله ﷺ يفعله" (غريب الحديث لامام ابواسحاق الحربي (١/٩٨/٥) بحواله سلسلة الاحاديث الضعيفة ٣٩٢/٢، المعجم الاوسط للطبراني ١/٢٣٩/١ مصورة بحواله سلسلة الاحاديث الصحيحة ٣٨٠/٦)۔

"میں نے جناب عبداللہ بن عمرؓ کو دیکھا کہ وہ نماز میں (اپنے ہاتھوں کو آٹا) گوندھنے والے کی طرح (بند کر لیتے یعنی) اپنے ہاتھوں پر ٹیک لگاتے جب کھڑے ہوتے"۔

اس روایت کے متعلق علامہ البانی فرماتے ہیں:

"اسناده حسن" یعنی اس کی سند حسن ہے۔

اس روایت کی سند اس طرح ہے۔

"حدثنا عبيد الله (الاصل عبدالله) بن عمر حدثنا يونس بن بكير عن الهيثم عن عطية بن قيس عن الازرق بن قيس به"۔

اولاً۔ اس روایت کی سند میں راوی الہیثم ابن عمران الدمشقی ہے جسے ابن حبانؒ نے کتاب "الثقات" (٢٩٦/٧) میں اور امام ابو حاتم الرازیؒ نے الجرح والتعدیل (٨٢/٢/٤۔٨٣) میں ان کا ذکر کیا ہے لیکن کسی جرح یا تعدیل کا ذکر نہیں کیا۔ اس

راوی کے متعلق کتب اسماء الرجال میں کوئی تفصیل نہیں ملتی لہٰذا یہ راوی مجہول الحال اور یہ روایت ضعیف ہے۔ لیکن علامہ موصوف نے اپنے ایک اصول کے تحت اس حدیث کی تصحیح کی ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔

"وهو ان من و ثقه ابن حبان و قد روى عنه جمع من الثقات ولم يات بما ينكر عليه فهو صدوق يحتج به و بناءً على ذالك قويت بعض الاحاديث التى هى من هذا القبيل كحديث العجن فى الصلوٰة" (تمام المنة صفحه ٢٠٥)

"اور وہ راوی کہ جسے امام ابن حبانؒ نے ثقہ قرار دیا ہو اور اس سے تمام ثقہ راوی روایت کر رہے ہوں اور اس سے کوئی منکر روایت ثابت نہ ہو تو صدوق ہے اس سے احتجاج درست ہے اور اسی قاعدے کی بنیاد پر میں نے بعض احادیث کو جو اسی قبیل سے تعلق رکھتی ہیں تقویت دی ہے جیسے کہ حدیث عجن فی الصلوٰۃ ہے"۔

لیکن ہماری تحقیق کے مطابق نہ تو یہ قاعدہ درست ہے اور نہ ہی حدیث عجن۔ درج ذیل سطور میں ہم علامہ البانی کے اس قاعدے اور حدیث عجن کا اصول حدیث و قواعد محدثین کی روشنی میں تفصیلی جائزہ پیش کرتے ہیں۔

مجہول الحال راوی اور امام ابن حبانؒ:

☆ ایسا راوی جسکے متعلق جرح یا تعدیل وارد نہ ہو اسے مجہول کہا جاتا ہے (تفصیل آگے آ رہی ہے) ہاں البتہ امام ابن حبانؒ ایسے راوی کو ثقہ تصور کرتے ہیں کیونکہ انکے نزدیک جرح، تعدیل کی ضد ہے لہٰذا جب کسی راوی پر جرح نہ ہو تو ایسے راوی کو ثقہ کہتے ہیں، اسی وجہ سے انہوں نے اپنی کتاب "الثقات" میں ایسے رواۃ کا بکثرت ذکر کیا ہے، لیکن واضح رہے کہ جمہور محدثین امام ابن حبانؒ کے اس قاعدے کو قبول نہیں کرتے۔

امام ذہبی ایک ایسے ہی راوی کے متعلق فرماتے ہیں

"و عمارة مجهول كما قال الرازيان ولا يفرح بذكر ابن حبان له فى

الثقات فان قاعدته معروفة من الاحتجاج بمن لا یعرف"۔

(میزان الاعتدال ج ۳ ص ۱۷۵)

"یعنی عمارہ مجہول ہے جیسا کہ رازیان نے کہا ہے اور ابن حبان کے اس کو ثقات میں ذکر کرنے پر خوش نہ ہو کیونکہ انکا تو یہ قاعدہ معروف ہے کہ وہ غیر معروف راویوں سے بھی احتجاج کر لیتے ہیں"۔

امام ابن حبانؒ کے اس قاعدے اور ان کے تساہل کے متعلق ائمہ کرام کی تصریحات کیلئے ملاحظہ ہو۔ (الثقات لابن حبان ۱/ ۱۳، ضوابط الجرح والتعدیل ص ۸۰۔ ۸۲، تدریب الراوی ۱/ ۱۰۸، فتح الباری ۹/ ۶۰ طبع دار الریان، لسان المیزان مقدمة ۱/ ۱۴۔۱۵، التهذیب ۱۰/ ۱۱۳ ترجمه مسلم بن حارث، فتح المغیث ص ۲۴، التعلیق علی فوائد المجموعة فی الاحادیث الموضوعة للشیخ عبدالرحمٰن بن یحی الیمانی ص ۶۱، ۱۶۱، ۳۴۷ و ۴۱۵، قواعد فی علوم الحدیث بتعلیق ابو غدہ ص ۲۱، ۱۸۱۔ ۱۸۳، الرفع والتکمیل ص ۳۹۔ ۲۳۲) تمام المنة للشیخ الالبانی ص ۲۰۔ ۲۶ و سلسلة الاحادیث الضعیفة ۱/ ۳۲، ۱۱۵، ۱۳۱ و ۲/ ۳۰۰، ۳۲۸، و ۴/ ۱۴۲، تحقیق المشکاة ۱/ ۱۵۳، ارواء الغلیل ۲/ ۱۵۷)۔

مذکورہ حوالجات کی طرف مراجعت کرنے سے آپکو معلوم ہوگا کہ اس قسم کے راوی کے حق میں ابن حبانؒ کی توثیق کو قبول نہیں کیا گیا ہاں اگر کوئی دوسرا محدث (جو جرح و تعدیل کی صلاحیت رکھتا ہو) امام صاحبؒ کی تائید کرے تو پھر راوی کی توثیق قبول کی جائے گی۔ واللہ اعلم۔

علم المصطلح میں ایسے راوی کو (یعنی جس سے ایک جماعت روایت کر رہی ہو اور کسی نے اسکے متعلق جرح و تعدیل نقل نہ کی ہو) مجہول الحال کہا جاتا ہے جسے حافظ ابن حجرؒ اکثر "مستور" بھی کہہ دیتے ہیں۔ (شرح نخبة الفکر لابن حجرؒ ص

۱۰۰۔ ۱۰۱ طبع بیروت، تیسیر مصطلح الحدیث للدکتور محمود الطحان ص ۱۲۰ وغیرہ)

اور مستور راوی کی روایت کے متعلق حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

"وقد قبل روایته جماعة بغیر قید و ردها الجمهور والتحقیق ان روایة المستور ونحوه مما فیه الاحتمال لا یطلق القول بردها ولا بقبولها بل هی موقوفة الی استبانة حاله، کما جزم به امام الحرمین" (شرح نخبة الفکر ص ۱۰۰۔ ۱۰۱، اسبال المطر علی قصب السکر للشیخ محمد بن اسماعیل الیمانی ص ۱۰۳)۔

"حاصل عبارت یہ ہے کہ ایک جماعت نے بلا قید اس کی حدیث کو قبول کیا ہے مگر جمہور محدثین نے اسکو رد کر دیا ہے اور تحقیق یہ ہے کہ مستور راوی کی حدیث کو نہ قبول کیا جائے اور نہ ہی رد (یعنی توقف بہتر ہے) تاوقتیکہ اس کا حال معلوم نہ ہو جائے (۱)۔

بہرکیف اکثر ائمہ اہل الحدیث (مثلاً امام شافعیؒ و احمدؒ وغیرہ) نے مجہول الحال و مستور راوی کی روایت کو رد کر دیا ہے۔ (قواعد فی علوم الحدیث ص ۲۰۳، تیسیر مصطلح الحدیث ص ۱۲، نزهة النظر ص ۸۷، تدریب الراوی ص ۳۱۶۔ ۱۷)

حافظ ابن حجرؒ اسحاق بن سالم کو مجہول الحال کہتے ہیں، امام البانی اس کلام کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں

"والمجهول لا یحتج بحدیثه بحال" (تمام المنه ص ۳۴۷)

خلاصۃ المرام یہ کہ اصول حدیث کی رو سے ایسے روای کو مجہول الحال کہتے

(۱) واضح رہے کہ توقف سے مراد روایت کا مردود ہونا ہے (ملاحظہ ہو شرح نخبة الفکر ص ۲۰)

ہیں اور مجہول الحال راوی کی جب تک توثیق منقول نہ ہو اسکی روایت مردود ہوتی ہے۔

محض ثقہ راویوں کے روایت کرنے سے وہ ثقہ یا صدوق نہیں بنتا۔ کیونکہ۔ کبار ائمہ کرام مثلاً امام شعبہؒ، سفیان ثوریؒ وغیرہ بھی مجہولین سے روایت کرتے تھے (معرفۃ علوم الحدیث للحاکم ص ۱۰۶) تو کیا ایسے مجہولین کو ثقہ یا صدوق تسلیم کیا جائے گا؟۔ نیز ملاحظہ ہو (تدریب الراوی للسیوطی ۳۱۶/۱)

حدیث کے صحیح ہونے کیلئے اصول حدیث میں یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ راوی عدالت و ضبط میں معروف ہو۔ (شرح النخبۃ ص ۳۰-۲۹، التقریب مع التدریب للنووی ۶۳/۱، الفیۃ الحدیث للعراقی ص ۱۶، مقدمۃ ابن الصلاح ص ۷-۸، قواعد التحدیث للقاسمی ص ۷۹ وغیرہ)۔ اور یہ بات امام البانیؒ کو بھی تسلیم ہے (الضعیفہ ۳۲۸/۲، التوسل انواعہ و احکامہ ص ۱۲۰)، تو پھر ایسا راوی جو بلحاظ عدل و ضبط مجہول ہو اور اسکے متعلق تدلیس و ارسال و اختلاط وغیرہ کی معلومات بھی نہ ہوں تو پھر اسکی روایت کس طرح صحیح یا حسن ہو سکتی ہے۔ اور وہ راوی "صدوق یحتج بہ" کس طرح ہو گا؟

امام البانیؒ کا ایسے راوی کو صدوق کہنا بھی اصول حدیث کے مطابق درست نہیں کیونکہ اصول حدیث میں جو صدوق ☆ کی تعریف کی گئی ہے وہ اس طرح ہے:

"ایسے الفاظ جو راوی کی تعدیل (عدالت) پر دلالت کرتے ہوں مگر اس میں ضبط شامل نہ ہو۔ مثلاً کہا جائے صدوق، محلہ الصدق یا لا بأس بہ وغیرہ تو ایسا راوی صدوق کہلاتا ہے"۔

(تیسیر مصطلح الحدیث ص ۱۵۱، التقریب مع التدریب ۳۴۳/۱، مقدمۃ ابن الصلاح ص ۵۸)۔

لہٰذا اصول حدیث کی رو سے امام البانیؒ کا ایسے راوی کو "صدوق یحتج بہ" کہنا بھی درست نہیں بالخصوص جب ائمہ جرح و تعدیل اس قسم کے راوی کے متعلق قطعاً

☆ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں۔

خاموش ہوں۔

امام البانیؒ نے اپنے اس قاعدے کی تائید میں دس (۱۰) ایسے رواۃ بھی پیش کیے ہیں جنہیں حافظ ابن حجرؒ نے "صدوق، محلہ الصدق" وغیرہ کہا ہے اور بقول علامہ صاحب انہیں ابن حبانؒ کے علاوہ کسی اور نے ثقہ نہیں کہا۔ نیز اسی طرح امام صاحب ایک راوی مالک بن الخیر الزیادی کا ترجمہ نقل فرما کر اپنے موقف کو مضبوط کرنے کی سعی فرمائی ہے۔

جن رواۃ کو امام البانیؒ نے پیش کیا وہ یہ ہیں

(۱) احمد بن ثابت الجحدری (۲) احمد بن محمد بن یحییٰ البصری

(۳) احمد بن مصرف الیامی (۴) ابراہیم بن عبداللہ بن الحارث الجمحی

☆ صدوق راوی کی روایت کے متعلق جو حکم بیان کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ "فهو ممن يكتب حديثه وينظر فيه" (الجرح و التعديل ۳۷/۲)

"اس قسم کے راوی کی روایت کو لکھا جائے گا اور اس میں تحقیق کی جائے گی"

الدکتور محمود الطحان اسکی توضیح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"أي يختبر ضبطهم بعرض حديثهم على احاديث الثقات الضابطين فان وافقهم احتج بحديثهم والا فلا۔ فظهر من ذلك أن من قيل فيه "صدوق" من الرواة لا يحتج بحديثه قبل الاختبار، و قد اخطأ من ظن أن من قيل فيه "صدوق" فحديثه حسن لأن الحسن يحتج به، هذا ما عليه اصطلاح أئمة الجرح و التعديل"۔ أما الحافظ ابن حجر فقد يكون له اصطلاح خاص في كتاب "التقريب التهذيب" بالنسبة لكلمة "صدوق" والله اعلم (تيسير مصطلح الحديث ص ۱۵۲۔ هامش)

خلاصہ عبارت یہ ہے کہ صدوق راوی کی روایت اگر ثقہ راویوں کے موافق ہوگی تو قابل حجت ہے ورنہ نہیں۔ یعنی صدوق کی روایت کو آزمائش کے بعد حجت تسلیم کیا جائے گا اور جس کا یہ خیال ہے کہ صدوق کی روایت حسن ہوتی ہے تو وہ غلط ہے البتہ تقریب میں حافظ ابن حجر کا راویوں کو صدوق کہنا انکی ذاتی اصطلاح ہے۔ واللہ اعلم۔

اس وضاحت سے بھی ہیثم بن عمران کے مرتبہ و مقام کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے (ادارہ)

(۵) ابراہیم بن محمد بن عبداللہ الاسدی　　(۶) ابراہیم بن محمد بن معاویہ بن عبداللہ
(۷) اسحاق بن ابراہیم بن داود السواق　　(۸) اسماعیل بن ابراہیم الباہی
(۹) اسماعیل بن مسعود بن الحکم الزرقی　　(۱۰) الاسود بن سعید الهمدانی

(تمام المنۃ ص ۲۰۵)

اور مالک بن الخیر کا ترجمہ امام ذہبی سے نقل کرتے ہیں کہ

"محله الصدق... روی عنه حیوة بن شریح، و ابن وهب و زید بن الحباب و رشدین۔ قال ابن القطان: هو ممن لم تثبت عدالته..... یرید انه ما نص احد علی انه ثقة.... والجمهور علی ان من کان من المشایخ قد روی عنه جماعة، ولم یات بما ینکر علیه ان حدیثه صحیح" (تمام المنۃ ص ۲۰٤)۔

یعنی مالک بن الخیر محلہ الصدق ہیں ان سے حیوۃ بن شریح، ابن وھب، زید بن الحباب اور رشدین روایت کرتے ہیں، ابن قطان کہتے ہیں کہ وہ ان راویوں میں سے ہیں جنکی عدالت ثابت نہیں۔ انکی مراد یہ ہے کہ انکے ثقہ ہونے کی کوئی نص موجود نہیں... اور جمہور کا خیال ہے کہ جو راوی مشائخ میں سے ہو اور ایک جماعت اس سے روایت کر رہی ہو تو انکی حدیث صحیح ہے۔

اب ہم امام البانی کی ان دونوں شقوں کا تفصیل سے جواب دیتے ہیں۔ امام صاحب نے جو دس رواۃ پیش کیے ہیں ان میں سے اکثر کی توثیق منقول ہے مثلاً راوی نمبر ۳، ۷، ۸، کو ابن حبان نے فقط کتاب الثقات میں ذکر ہی نہیں کیا بلکہ "مستقیم الحدیث" بھی کہا ہے۔ (تهذیب التهذیب ۱/ ۱۱٦، ۱۸۷ و ۲٤٥)۔ نیز راوی نمبر (۱) یعنی احمد بن ثابت کو "مستقیم الامر فی الحدیث" کہا ہے (التهذیب ۱/ ۱۸) اسی طرح راوی نمبر (۲) یعنی احمد بن محمد بن یحیی البصری کو امام ابو حاتم اور انکے بیٹے دونوں "صدوق" اور ابن حبان "کان متقناً" کہتے ہیں (تهذیب التهذیب ۱/ ٦۹، الجرح والتعدیل ۲/ ۷٤) اب اصول حدیث کے مطابق جب ان پر جرح

منقول نہیں اور دیگر ائمہ کرام انکی توثیق بھی ذکر کر رہے ہیں (خصوصاً ابن حبان کا ان رواۃ کو "مستقیم الحدیث" کہنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ ان کی احادیث کی معرفت رکھتے تھے) لہٰذا حافظ ابن حجرؒ نے انکو صدوق قرار دیا ہے۔ باقی رہے وہ رواۃ جنہیں ابن حبان نے مطلقاً "الثقات" میں ذکر کیا ہے اور کوئی حکم نہیں لگایا تو حافظ صاحب کا انکو "صدوق" کہنا ہماری تحقیق کے مطابق، خطا پر مبنی ہے۔ کیونکہ حافظ صاحب اس قسم کے رواۃ کو عموماً "مقبول"☆ یا مستور سے زیادہ مقام عنایت نہیں کرتے۔ مزید توضیح کی خاطر ہم چند امثلہ بھی یہاں پیش کیے دیتے ہیں۔

(۱) **احمد بن ایوب بن راشد البصری**:۔ اس سے امام بخاری (ادب المفرد میں) عبداللہ بن احمد بن حنبل، ابوزرعہ، حسن بن علی المعمری، ابو یعلی، علی بن حسین بن جنید روایت کرتے ہیں اور امام ابن حبان نے اسے کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے (التهذیب ۱/ ١٤، الجرح و التعدیل ۲/ ٤۰)۔

مگر ان جلیل القدر ائمہ کرام کے روایت کرنے اور ابن حبان کے ثقہ کہنے کے باوجود حافظ ابن حجر اسے مقبول کہتے ہیں۔ (التقریب ص ۱۱)

(۲) **ابراہیم بن مرزوق الثقفی**:۔ اس سے ابو بکر بن ابو الاسود، محمد بن سعید الخزاعی، سعید بن عون، اور یحیی بن معین روایت کرتے ہیں۔ امام ابو حاتم فرماتے ہیں کہ "شیخ یکتب حدیثه" اور ابن حبان نے اسے کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے۔ (التهذیب ۱/ ۱٤۲، الجرح و التعدیل ۲/ ۱۳۷، تاریخ الکبیر للبخاری ۱/ ۳۳۰)، مگر حافظ ابن حجرؒ اسے "مقبول" کہتے ہیں۔ (التقریب ص ۲۳)

☆ "مقبول" یہ حافظ ابن حجرؒ کی خاص اصطلاح ہے، چنانچہ التقریب ص ۱۰ میں فرماتے ہیں کہ "من لیس له من الحدیث الا القلیل ولم یثبت فیه ما یترك حدیثه من اجله والیه الاشارة بلفظ مقبول حیث یتابع الا فلین الحدیث"۔ اسی طرح مستور یا مجہول الحال کے متعلق فرماتے ہیں "من روی عنه اکثر من واحد ولم یوثق و الیه الاشارة بلفظ مستور او مجهول الحال"۔

(۳) **عبداللہ بن محمد بن عمر بن علی بن ابی طالب**:۔ ان سے ان کا بیٹا عیسٰی اور دراوردی، عبداللہ بن مبارک، ابن ابی فدیک اور ابو اسامہ وغیرہم روایت کرتے ہیں۔ ابن حبانؒ نے اسے "الثقات" میں ذکر کیا ہے۔ اور امام علی بن مدینی اسے "وسط" کہتے ہیں۔ (تھذیب التھذیب ۱۶/۶)

جبکہ حافظ ابن حجر نے اسے "مقبول" کہا ہے۔ (التقریب ص ۱۸۸)

(۴) **عبداللہ بن واقد بن عبداللہ بن عمر بن الخطاب المدنی**:۔

ان سے عمر بن محمد بن یزید، عبداللہ بن ابی بکر، زہری، فضیل بن غزوان، ابراہیم بن مجمع، سعد بن ابراہیم، محمد بن جعفر، ولید بن مسلم روایت کرتے ہیں۔ یہ صحیح مسلم، ابو داؤد اور ابن ماجہ کا راوی ہے۔ ابن حبان نے اس کو کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے۔ (التھذیب ۶۰/۶، الجرح والتعدیل ۱۹۰/۵)

لیکن ابن حجرؒ اسے مقبول کہتے ہیں۔ (التقریب ص ۹۳۔۱۹۲)

(۵) **عبداللہ بن الوضاح بن سعید اللؤلؤی**:۔ اس سے امام ترمذی، ابو حاتم، ابن صاعد، ابن خزیمہ، یعقوب بن سفیان، موسیٰ بن اسحاق، ابن ابی دنیا، ابو بکر البزار، احمد بن حسن الصوفی، یحیٰ بن محمد بن صاعد وغیرہم روایت کرتے ہیں۔ ابن حبانؒ نے اسے کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے اور امام ترمذی اسکی حدیث کو "حسن صحیح" کہتے ہیں۔

(التھذیب ۶۳/۶، جامع الترمذی ۳۱۴/٤ (۱۹۸۹))

لیکن اس کے باوجود بھی حافظ ابن حجرؒ اسے "مقبول" سے زیادہ مقام عنایت نہیں فرماتے۔ (التقریب ص ۱۹۳)

(۶) **عبدالاعلی بن عبداللہ بن عامر البصری**:۔ ان سے خالد الحذاء، حارث بن عبدالرحمان، حسن بن قاسم الازرقی، عمرو بن الاصبغ، مخلد والد ابی عاصم روایت کرتے ہیں۔ امام ابن حبان نے اسے کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے اور کہا ہے "کان جواداً" (التھذیب ۸۷/۶)۔

لیکن حافظ ابن حجرؒ اسے مقبول کہتے ہیں۔ (التقریب ص ۱۹۵)

(۷) **عبدالحمید بن بکار السلمی الدمشقی**:۔ اس سے ابو داؤد نے المراسیل میں اور نسائی نے مسند مالک میں روایت کیا ہے، نیز امام ابو زرعہ الرازی، ابو عبدالملک احمد بن ابراہیم، عباس بن ولید، یزید بن محمد، احمد بن معلی، سعد بن محمد البیروتی بھی اس سے روایت کرتے ہیں۔ امام ابن حبان نے اسے کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے۔

(تھذیب التھذیب ۹۹/۶، الجرح و التعدیل ۹/۶)

اور حافظ صاحبؒ نے اسے مقبول کہا ہے۔ (تقریب التھذیب ص ۱۹۶)

(۸) **عبدربہ بن خالد بن عبدالملک ابو المغلس البصری**:۔

اس سے ابن ماجہ، ابن ابی عاصم، ابن ابی دنیا، المعمری، یعقوب بن سفیان، محمد بن علی بن حبیب الرقی وغیرہم روایت کرتے ہیں اور ابن حبان نے اسے "الثقات" میں ذکر کیا ہے۔ (تھذیب التھذیب ۱۱۵/۶)

جبکہ حافظ ابن حجرؒ اسے مقبول کہتے ہیں۔ (التقریب ص ۱۹۸)

(۹) **عبد الرحمٰن بن بشر بن مسعود الانصاری**:۔

تہذیب اور الجرح والتعدیل میں اسکے والد کا نام بشر لکھا ہے جبکہ تقریب میں بشیر لکھا ہے۔ صحیح بشر ہی ہے۔

یہ مسلم، ابو داؤد اور نسائی کا راوی ہے۔ اس سے ابراہیم النخعی، محمد بن سیرین، موسیٰ بن عبداللہ بن یزید الخطمی، جعفر ابن ابی وحشیہ، رجاء الانصاری اور ابو حصین روایت کرتے ہیں۔ ابن حبان نے اسے کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے اور ابن سعد اسے "قلیل الحدیث" کہتے ہیں۔

(التھذیب ۱۳۲/۶، الجرح و التعدیل ۱۵/۵۔۲۱٤)

اور حافظ ابن حجرؒ نے اسے مقبول کہا ہیں۔ (التقریب ص ۱۹۹)

(۱۰) المسور بن رفاعہ بن ابی مالک القرظی:۔

اس سے امام مالک، ابن اسحاق، ابو علقمہ الفروی، ابو بکر بن ابی سبرہ، ابراہیم بن ثمامہ، داؤد بن سنان، عبدالرحمٰن بن عروہ، ابراہیم بن سعد روایت کرتے ہیں اور ابن حبان نے اسے کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے۔

(التہذیب ۱۳۶/۱۰، الجرح و التعدیل ۲۹۷-۹۸/۸، تاریخ الکبیر ۴۱۱/۷)

مگر حافظ ابن حجرؒ نے اسے مقبول کہا ہے۔(التقریب ص ۳۳۷)

ان امثلہ سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ اس قسم کا راوی جس سے ایک جماعت روایت کررہی ہو اور ابن حبان نے اسے "کتاب الثقات" میں ذکر کیا ہو اور کسی سے اس کی توثیق منقول نہ ہو تو حافظ ابن حجرؒ کے نزدیک وہ مقبول ہوتا ہے، یعنی اگر وہ متابعت میں ہو تو "مقبول" ہے ورنہ وہ "لین الحدیث" ہے، اور بقول علامہ امیر علی حنفی "صاحب کے، جسے ابن حبانؒ "الثقات" میں ذکر کرے اسے حافظ ابن حجرؒ مقبول کہتے ہیں۔ (التطلیب ص ۲۳)

لہذا امام البانی کے پیش کردہ چند رواۃ میں سے جو چند ایک رہ گئے تھے، جنہیں حافظ صاحب نے صدوق کہا ہے، خطاء پر مبنی نظر آتا ہے۔ (واللہ اعلم)

ان امثلہ کی روشنی میں ہم یہ وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ حافظ ابن حجرؒ ھیثم بن عمران کو زیادہ سے زیادہ مقبول ہی کہتے۔ واللہ اعلم

لہذا امام البانی کا اس قسم کے راوی کو "صدوق یحتج بہ" کہنا بہت بڑی جسارت ہے۔

امام البانی کا امام ذہبی کی عبارت سے احتجاج کرنا بھی درست نہیں۔

اولاً:۔ اس لیے کہ امام البانی نے اس نقل میں تصرف کیا ہے۔ جس عبارت کو امام البانی نے نقل نہیں کیا وہ یہ ہے:۔

" وفی رواۃ الصحیحین عدد کثیر ما علمنا ان احدا نص علی توثیقھم والجمہور علی ان من کان من المشایخ.....الخ (میزان الاعتدال ۴۲۶/۳)۔

"یعنی صحیحین کے بہت سے ایسے راوی ہیں جنکے متعلق ہم نہیں جانتے کہ انکے ثقہ ہونے کی کوئی نص موجود ہو اور جمہور کا خیال ہے کہ جو راوی مشائخ میں سے ہو........الخ"۔

امام ذہبی کا یہ کلام امام ابن قطان کے قول یعنی "ھو ممن لم تثبت عدالتہ" کے رد میں ہے۔ کیونکہ امام ابن قطان کا رواۃ کے متعلق قاعدہ سب سے منفرد ہے، خود امام ذہبی، امام ابن قطان کے اس قاعدے کو نقل کرتے ہیں کہ:

"فان ابن القطان یتکلم فی کل من لم یقل فی امام عاصر ذاک الرجل او اخذ عمن عاصرہ مایدل علی عدالتہ". (میزان الاعتدال ۵۵۶/۱)

یعنی امام ابن قطان ہر اس راوی پر کلام کرتے ہیں جن کی تعدیل انکے معاصر امام سے مروی نہ ہو یا اس کے معاصر اسے نقل نہ کرتے ہوں۔

نیز مذکورہ مقام پر بھی امام ذہبی، امام ابن قطان پر نقد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

" ففی الصحیحین من ھذا النمط خلق کثیر مستورون ما ضعفھم احد ولا ھم بمجاھیل". (میزان الاعتدال ۵۵۶/۱)

یعنی صحیحین میں اس قسم کے بہت سے مستور راوی موجود ہیں جنہیں نہ تو کسی محدث نے ضعیف قرار دیا ہے اور نہ ہی وہ مجہول ہیں۔

معلوم ہو کہ امام ذہبی کا یہ قول شیخین کے رواۃ کے متعلق ہے، کیونکہ انکے رواۃ کی توثیق قطعی ہے اگرچہ ان کی توثیق ہمیں معلوم نہ ہو۔ انکی وجہ یہ ہے کہ امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کی شرائط میں یہ بات داخل ہے کہ وہ صحیحین میں ثقہ راوی کے علاوہ کسی سے احتجاج نہیں کریں گے۔ (ھدی الساری ص ۱۱ و ۴۰۳، تقریب

الراوی ۱/۱۲٤ و ۱۳۰، قواعد التحدیث ص ۹۳۔۱۹۰، ذب ذبابات الدراسات للشیخ عبداللطیف السندی ۸۱/۱۔ ۵۸۰ وغیرها)

بلکہ خود امام ذہبی "الموقظہ ص ۷۸" میں اسکی صراحت فرماتے ہیں کہ:

"الثقة: من وثقه کثیر ولم یضعف. ودونه من لم یوثق ولا ضعف فان خرج حدیث هذا فی الصحیحین فهو موثق بذلك". (ضوابط الجرح و التعدیل للدکتور عبدالعزیز بن محمد ص ۸۸)۔

یعنی ثقہ وہ ہے جس کی اکثر نے توثیق کی ہو اور اسے ضعیف نہ کہا گیا ہو۔ اور اسکے علاوہ وہ راوی جس کی توثیق اور تضعیف مذکور نہ ہو مگر اسکی حدیث صحیحین میں موجود ہو تو یہ (راوی) اس سبب سے ثقہ سمجھا جائے گا۔

لہٰذا امام البانی کا امام ذہبی کی عبارت کو تمام راویوں کے متعلق عام سمجھنا اور اس پر ہیثم بن عمران کو قیاس کرکے اس سے حجت پکڑنا قطعاً درست نہیں۔

ثانیاً:۔ خود حافظ ابن حجرؒ، امام ذہبیؒ کے اس قول کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

" وهذا الذی نسبه الی اخره لا ینازع فیه بل لیس کذلك بل هذه شی نادر لان غالبهم معروفون بالثقة الا من خرجا له فی الاستشهاد".

(لسان المیزان ۳/۵)

یعنی جو کچھ (امام ذہبیؒ نے) آخر تک بیان کیا ہے اس میں نہ تو کوئی نزاع ہے اور نہ ہی معاملہ اس طرح ہے بلکہ یہ چیز شاذ و نادر ہی ہوگی اس لیے کہ اکثر راوی ثقاہت کے ساتھ مشہور ہونگے سوائے ان کے جن کی روایات کو (امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے) بطور استشہاد پیش کیا ہو۔ (نیز فتح المغیث ۳۲۳/۱ بھی ملاحظہ ہو)

لہٰذا امام ذہبیؒ کے اس قول کو تمام رواۃ کے متعلق عام سمجھنا درست نہیں

ورنہ پھر جتنے بھی راوی اس قبیل سے تعلق رکھتے ہیں، ان سب کو ثقہ یا صدوق تسلیم کرنا پڑے گا۔

ثالثاً:۔ امام ذہبی کا مالک بن الخیر کو "محله الصدق" کہنا امام حاکمؒ کی توثیق پر اعتماد کی وجہ سے ہے۔ واللہ اعلم۔ وہ اس لیے کہ امام حاکم نے اسے ثقہ کہا ہے (المستدرك للحاکم ۱۲۲/۱) اور خود امام ذہبی نے بھی امام حاکم پر اعتماد کرتے ہوئے اسے ثقہ کہا ہے۔ (تلخیص المستدرك للذهبی ۱۲۲/۱) اب چونکہ امام ابن حبانؒ نے بھی اسے (کتاب الثقات ٤٦٠/٧) میں ذکر کیا ہے اور اس پر کوئی جرح بھی نہیں لہٰذا اصول کے مطابق انہوں نے ان کی توثیق کردی۔

تنبیہ:۔ واضح رہے کہ "ثقة" اور "محله الصدق" کے درجات میں بہت فرق ہے۔ (تیسیر مصطلح الحدیث ص ۵۲۔۱۵۱)۔

اگر امام البانی (اور انکے ہم خیال) امام ذہبی کے اس قول کو عام سمجھتے ہیں تو پھر ان رواۃ کا کیا بنے گا جن پر خود علامہ البانی صاحب نے جرح کی ہے اور عدم توثیق کے ان کی احادیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ اس کی چند امثلہ ملاحظہ فرمائیں:

(۱) ابراہیم بن عبداللہ بن الحارث الجمحی:۔

یہ ان رواۃ میں سے ہے جسے امام البانی نے اپنے اسی قاعدے کی تائید میں بطور مثال پیش کیا ہے۔ مگر دلچسپ بات یہ ہے کہ خود امام صاحب نے ہی اس کی روایت کو رد کردیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ:

" قلت: وهو ابن عبدالله بن الحارث بن حاطب الجمحی ترجمه ابن ابی حاتم (۱/۱/۱۰۹) ولم یذکر فیه جرحا ولا تعدیلا..... الخ"

پھر امام ذہبی کے قول "ما علمت فیه جرحا" کے جواب میں لکھتے ہیں کہ:

" قلت فقد یقال فهل علمت فیه توثیقاً؟ فان عدم الجرح لا یستلزم

التوثيق كمالا يخفى " (الضعيفه ٢/٣٢١)

یعنی امام ذہبی فرماتے ہیں کہ "مجھے نہیں معلوم کہ کسی نے اس پر جرح کی ہو"۔ اس کے جواب میں امام البانی صاحب نے کیا خوب جواب دیا ہے کہ "کیا تم اس کی توثیق کو جانتے ہو؟ اس جرح کا نہ ہونا تعدیل کو مستلزم نہیں"۔ یعنی ضروری نہیں کہ جس پر جرح نہ ہو تو وہ ثقہ ہو۔

سبحان اللہ! ہم بھی تو یہی کہتے ہیں کہ اس قسم کا راوی کس طرح "صدوق یحتج بہ" ہوگا، جبکہ اس کی کسی نے توثیق ہی نہ کی ہو۔

بہر کیف امام البانی نے ابراہیم بن عبداللہ کی روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔

ملاحظہ ہو (الضعیفة ٢/٣٢١(٩٢٠)، ضعیف سنن الترمذی ص ٢٧٢، (٤٢٣)ضعیف الجامع الصغیر ص ٩٠٤ (٦٢٦٥)

اور امام ابن حبانؒ اور حافظ ابن حجرؒ کی توثیق کو خاطر میں نہیں لائے۔

(٢) ابو طلحہ الاسدی :۔

ان سے پانچ ثقہ راوی روایت کرتے ہیں :

ا) عبدالملک بن عمیر۔ ثقہ فقیہ تغیر حفظہ وربما دلس (التقریب ص ٢١٩)

ب) ابراہیم بن محمد بن حاطب۔ صدوق (التقریب ص ٢٢)

ج) الاعمش (سلیمان بن مہران) ثقہ حافظ... لکنہ یدلس (التقریب ص ١٣٦)

د) الرکین بن الربیع ثقہ (التقریب ص ١٠٣)

ح) ابو العمیس عتبہ بن عبداللہ ثقہ (التقریب ص ٢٣٢)

(ملاحظہ ہو تہذیب التھذیب ١٢/١٥٤)

امام ذہبی اسے (ابو طلحہ الاسدی کو) صدوق کہتے ہیں (الکاشف ٣/٣٢٣)، جبکہ حافظ ابن حجرؒ نے اسے مقبول کہا ہے (التقریب ص ٤١٣)۔

امام البانی کے قاعدے کے مطابق یہ راوی "صدوق یحتج بہ" ہونا چاہیے

کیونکہ اس سے ثقہ راویوں کی ایک جماعت روایت کررہی ہے اور امام ابن حبان نے اسے "الثقات ٥/٥٧٤" میں ذکر کیا ہے۔

مگر امام البانی اپنے قاعدے سے انحراف کرتے ہوئے اور امام عراقی کے قول "اسنادہ جید" کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ :

" قلت: كلا فان ابا طلحة الاسدى لم يوثق احد. و فى "التقريب" للحافظ ابن حجر انه مقبول يعنى عندالمتابعة والا فلين الحديث"

(الضعيفة ١/٢١٢)

یعنی میں (البانی) کہتا ہوں کہ ہرگز (یہ سند جید) نہیں کیونکہ ابو طلحہ اسدی کی کسی نے توثیق نہیں کی اور ابن حجرؒ کی تقریب میں ہے کہ یہ مقبول ہے یعنی متابعت میں ورنہ یہ لین الحدیث ہے۔

نیز اس کی روایت کو "تحقيق المشكاة ٣/١٤٣٢(٥١٨٤)" و"ضعیف الجامع الصغیر (١٢٣٠)" میں بھی ضعیف قرار دیا ہے۔

(٣) سلمہ بن بشر بن صیفی الشامی الدمشقی:۔

امام البانی صاحب اس کے متعلق فرماتے ہیں

"مجهول الحال ولم يوثقه غير ابن حبان" (غاية المرام ص ١٨٧)

یعنی یہ مجہول الحال ہے اور اسے ابن حبان کے علاوہ کسی نے ثقہ نہیں کہا۔

حالانکہ سلمہ بن بشر سے پانچ معتبر راوی روایت کرتے ہیں۔

(١) یعقوب بن اسحاق العصفری ۔ صدوق (التقریب ص ٣٨٦)

(٢) سلیمان بن عبدالرحمان ۔ صدوق (التقریب ص ١٣٥)

(٣) محمد بن یوسف الفریابی ۔ ثقہ فاضل (التقریب ص ٣٢٥)

(٤) داؤد بن رشید ۔ ثقہ (التقریب ص ٩٥)

(ان چار رواۃ کیلئے ملاحظہ ہو تہذیب التہذیب ٤/١٢٥)

(۵) عبدالرحمان بن نافع المعروف بدرخت۔ (الجرح والتعدیل ۱۳ے ۱۵)
امام ابو زرعہ عبدالرحمان بن نافع کو صدوق کہتے ہیں۔ (الجرح والتعدیل ۱۵ ۲۹۳)
اور سلمہ بن علقمہ کو ابن حبان نے ثقہ قرار دیا ہے (التہذیب ۱۳ ۱۵)

عجیب اتفاق ہے کہ ھیثم بن عمران سے بھی پانچ ثقہ صدوق راوی روایت کرتے ہیں اور سلمہ بن علقمہ سے بھی پانچ راوی روایت کرتے ہیں نیز دونوں کو امام ابن حبان نے ثقہ کہا ہے۔ لیکن تعجب تو اس بات پر ہے کہ سلمہ بن علقمہ کو تو مجہول الحال کہا جارہا ہے جبکہ ھیثم کو "صدوق یحتج بہ" کہا جارہا ہے۔ ایسا عجیب قاعدہ ہماری سمجھ میں نہیں آیا۔ واللہ اعلم۔ جب ایک قاعدہ بنایا ہی ہے تو اسے سب کیلئے یکساں ہونا چاہیے نہ کہ مختلف۔

(۳) **احمد بن ایوب بن راشد البصری:۔**

اس سے ثقہ راویوں کی ایک جماعت روایت کرتی ہے اور امام ابن حبان نے اسے ثقہ کہا ہے۔ (ملاحظہ ہو مضمون ھذا کا صفحہ نمبر ۲۵)

مگر امام البانی اسے اپنے قاعدے کے مطابق "صدوق یحتج بہ" کہنے کے بجائے فرماتے ہیں:

" لم اجد من صرح بتضعيفه من الائمة المتقدمين ولا من وثقه منهم، نعم اورده ابن حبان في الثقات وقال " ربما اغرب" وهذا ليس بجرح كما ان ايراده في " الثقات" ليس بتوثيق معتمد، كما سبق التنبيه عليه مرارا، فالحق ان الرجل في عداد مجهولي العدالة ولذلك لم يوثقه الحافظ في " التقريب" ولم يضعفه، بل قال فيه "مقبول" اشارة الى ما ذكرناه . والله اعلم

(سلسلة الاحاديث الضعيفة ۲ /۲۷)

"یعنی میں نہیں جانتا کہ ائمہ متقدمین میں سے کسی نے اس کے ضعیف ہونے کی صراحت کی ہو یا اسے ثقہ کہا ہو۔ ہاں البتہ ابن حبان نے اسے "الثقات" میں

ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ "کبھی کبھی غریب احادیث بیان کرتا ہے" لیکن یہ کوئی جرح نہیں ہے۔ اسی طرح ابن حبان کا "الثقات" میں ذکر کرکے توثیق کرنا بھی قابل اعتماد نہیں، جیسا کہ متعدد بار اس پر تنبیہ گزر چکی ہے۔ حق یہ ہے کہ یہ شخص مجہول العدالۃ ہے اسی وجہ سے حافظ ابن حجرؒ نے "التقریب" میں نہ تو اسے ثقہ کہا ہے اور نہ ہی ضعیف بلکہ "مقبول" کہا ہے اور یہ اس بات کی طرف (یعنی مجہول العدالۃ کی طرف) اشارہ ہے جو ہم نے ذکر کی ہے"۔

جب حق یہ ہے کہ ایسا راوی جس سے امام بخاریؒ، ابو زرعہؒ، عبداللہ بن احمد بن حنبلؒ وغیرہم جیسے حافظ الحدیث ائمہ روایت کرتے ہوں، تو پھر بھی وہ مجہول العدالۃ ہے تو پھر اس کے مقابلے میں ھیثم بن عمران کی حیثیت ہی کیا رہ جاتی ہے۔

(۵) **محمد بن عمر بن علی بن ابی طالب:۔**

اس سے راویوں کی ایک جماعت روایت کرتی ہے مثلاً

(۱) عبداللہ بن محمد ۔ مقبول (التقریب ص ۱۸۸)
مگر امام ذہبیؒ اسے ثقہ کہتے ہیں۔ (الکاشف ۱۵۹۵)
(۲) عبیداللہ بن محمد بن عمر ۔ مقبول (التقریب ص ۲۲۷)
(۳) عمر بن محمد ۔ مجہول الحال (التقریب ص ۲۵۶)
(۴) ابن جریج ۔ ثقہ فقیہ فاضل... (التقریب ص ۲۱۹)
(۵) ابن اسحاق (محمد) ۔ صدوق.... الخ (التقریب ص ۲۹۰)
(۶) یحیٰی بن ایوب

اگر یہ الغافقی ہے تو صدوق ہے۔ (التقریب ص ۳۷۳) اور اگر یہ البجلی کوفی ہے تو حافظ ابن حجرؒ اسے "لا باس بہ" اور امام ذہبی اسے ثقہ کہتے ہیں۔ (التقریب ص ۳۷۳، الکاشف ۲ /۳۶۱) بہرحال دونوں ہی معتبر ہیں۔

(۷) ہشام بن سعد ۔ صدوق لہ اوہام (التقریب ص ۳۶۳)

یہ مسلم اور سنن اربعہ کا راوی ہے۔ امام ذہبیؒ اسے "حسن الحدیث" کہتے ہیں۔ (الکاشف ۳۳۶/۲)

(۸) سعید بن عبداللہ الجُمحی — مقبول (التقریب ص ۱۲۳)

(۹) محمد بن موسیٰ الفطری

حافظ ابن حجرؒ اسے صدوق (۱) کہتے ہیں (التقریب ص ۳۲۰)

(۱۰) سفیان الثوری۔ — ثقہ حافظ عابد امام حجۃ (التقریب ص ۱۲۸)

(ملاحظہ ہو التهذيب ۳۲۱/۹، الكاشف ۲۰۵/۲)

یعنی محمد بن عمر بن علی سے چھ معتبر راوی روایت کر رہے ہیں۔

نیز امام ذہبی اسے ثقہ اور حافظ ابن حجرؒ صدوق کہتے ہیں (۲)

(الكاشف ۲۰۵/۲ و التقريب ص ۳۱۲)

اور امام حاکم نے اس کی حدیث کو "اسنادہ صحیح" کہا ہے اور ذہبیؒ نے اس

(۱) مگر ہماری تحقیق کے مطابق یہ ثقہ ہے۔ اسے متعدد ائمہ کرام نے ثقہ کہا ہے۔ البتہ حافظ ابن حجرؒ نے امام ابو حاتم پر اعتماد کرتے ہوئے اسے صدوق کہا ہے۔ (التهذيب ۳۲۱/۹-۴۲۳) نیز ان سے عبدالرحمٰن بن مہدی بھی روایت کرتے ہیں۔ اور یہ بات عام مشہور ہے کہ وہ ثقہ کے علاوہ روایت نہیں کرتے۔ (التهذيب ۲۵۲/۶، التدريب ۳۱۷/۱، قواعد في علوم الحديث للتهانوی ص ۲۰۶ و ۲۱۶، فتح المغيث للسخاوی ص ۱۳۴، لسان الميزان ۱۵/۱ وغيرها)

یعنی یہ راوی امام عبدالرحمٰن بن مہدی کے نزدیک ثقہ ہے۔ واضح رہے کہ عام طور پر محدثین کرام بعض ائمہ مثلاً: امام احمد، بقی بن مخلد، مالک، شعبہ، سلیمان بن حرب وغیرہم کیلئے یہ کہہ دیتے ہیں کہ "لا يروى الا عن ثقة" یعنی یہ ثقہ کے علاوہ روایت نہیں کرتے، تو اس سے مراد راوی کی مطلقاً توثیق نہیں ہوتی بلکہ وہ راوی فقط اسی محدث کے نزدیک ثقہ ہوتا ہے۔ واللہ اعلم

(۲) امام البانیؒ چونکہ دیں رواۃ کے معاملے میں ابن حجر اور امام ذہبی کی توثیق کا تذکرہ کیا ہے لہٰذا ہم نے بھی محض الزاماً انکی توثیق نقل کی ہے۔ مگر اعتماد اصول حدیث و قواعد جرح و تعدیل پر کیا جائے گا۔

سے موافقت کی ہے (المستدرك للحاكم ۴۳٦/۱)۔

مگر امام البانی ان تمام باتوں کے علی الرغم فرماتے ہیں:

"قلت: و في هذا نظر لان محمد بن عمر بن علی ليس بمشهور وقد ترجمه ابن ابی حاتم (۸۱/۱/۸/٤/٤) ولم يذكر فيه جرحا ولا تعديلا. واما ابن حبان فذكره في "الثقات" على قاعدته........الخ"

نیز امام ابن قطان کے تناقض کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"وهذا الذى يميل القلب اليه لجهالته......الخ"

(الضعيفة ۲۱۹/۳)

"یعنی یہی وجہ ہے کہ ہمارا دل اس شخص کی جہالت (یعنی مجہول الحال ہونے) کی طرف مائل ہوتا ہے"۔ یعنی یہ راوی مجہول الحال ہے۔

امام البانی نے اس مقام پر بھی اپنے قاعدے کو قابل التفات نہیں سمجھا۔

(٦) عبدالله بن محمد بن عمر بن ابی طالب:

یہ مذکورہ راوی (یعنی محمد بن عمر) کے صاحبزادے ہیں اس کا تذکرہ ہم مضمون ہذا کے صفحہ نمبر 26 پر کر آئے ہیں۔ ان سے دراوردی، عبداللہ بن مبارک، ابن ابی فدیک، ابو اسامہ جیسے ثقہ صدوق راوی روایت کرتے ہیں۔ امام ابن حبان اسے ثقہ اور امام علی بن المدینی اسے "وسط" (*) کہتے ہیں۔ (التهذيب ۱٦/٦)،

(*) "وسط": یہ توثیق کا کلمہ ہے جسے امام علی بن المدینی اکثر راویوں پر بولتے ہیں۔ ملاحظہ ہو (سؤالات محمد بن عثمان بن ابی شيبه لعلی بن المدينی في الجرح و التعديل رقم نمبر ۳، ۱۲، ۲٦، ٦۱، ۸۳، ۱۰۲، ۱۰۸، ۱۷٤، ۱۹۸، ۲۳۱، ۲٦۰)۔

حافظ ذہبی وغیرہ نے "وسط" کو توثیق کے اس طبقے میں شمار کیا ہے جس میں محلہ الصدق، جید الحدیث، صالح الحدیث، حسن الحدیث وغیرہ کا ذکر کیا ہے۔ (مقدمة ميزان الاعتدال للذهبی ٤/۱، تدريب الراوی ۳٤٥/۱، اسباب المطر ص ۱٥۸، الرفع و التكميل ص ۱۳۸-۳۹، قواعد في علوم الحديث ص ۲٤۹ وغيره)۔

اور امام ذہبی نے اسے ثقہ کہا ہے (الکاشف ۱/ ۵۹۵)۔

امام حاکم نے اسکی اسناد کو صحیح کہا ہے اور امام ذہبی نے اسکی موافقت کی ہے۔ (المستدرک ۱/ ۴۳۶ کما فی الضعیفۃ ۳/ ۲۱۹)۔

مگر امام البانی اس تمام تر توثیق سے اعراض کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وفیہ علۃ اخری، وھی ان عبداللہ بن محمد بن عمر حالہ نحو حال ابیہ، لم یوثقہ غیر ابن حبان....الخ" (الضعیفۃ ۳/ ۲۲۰)۔

"یعنی اس (حدیث کی سند) میں ایک دوسری علت بھی ہے وہ یہ ہے کہ عبداللہ بن محمد بن عمر کا حال اسکے والد کے جیسا ہے (یعنی مجہول ہے) اور ابن حبان کے علاوہ کسی نے اسے ثقہ نہیں کہا"۔

کیا اب بھی اس قاعدے کو قبول کیا جاسکتا ہے؟

(۷) موسیٰ بن ابی عثمان التبان:

یہ ابو داود، نسائی اور ابن ماجہ کا راوی ہے۔ امام بخاری نے اس کی حدیث کو معلقاً بیان کیا ہے (صحیح بخاری کتاب النکاح باب لا تاذن المراۃ فی بیت زوجھا لاحد الا باذنہ)۔ نیز ملاحظہ ہو (التہذیب ۱۰/ ۳۲۱)۔

موسیٰ بن ابی عثمان سے ابو الزناد (عبداللہ بن ذکوان)، مالک بن مغول، شعبہ اور سفیان الثوری روایت کرتے ہیں۔ (التہذیب ۱۰/ ۳۲۱، التاریخ الکبیر ۷/ ۲۹۰)۔

اور یہ چاروں زبردست ثقہ ہیں (ملاحظہ ہو تقریب التہذیب ص ۷۳۔ ۱۷۲، ۳۲۷، ۱۴۵، ۱۲۸ بالترتیب)۔

نیز امام ذہبی اسے ثقہ کہتے ہیں اور امام ابن حبان نے اسے کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے (الکاشف ۲/ ۳۰۶، التہذیب ۱۰/ ۳۲۱)۔

مگر اسکے باوجود امام البانی اسے مجہول کہتے ہوئے اسکی سند کو ضعیف قرار دیا

ہے (الصحیحۃ ۳/ ۶۴)۔

(۸) مہاجر بن ابی مسلم الشامی:

اس سے امام بخاری نے ادب المفرد میں، اور ابو داود اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ نیز اس سے چار معتبر راوی، یعنی عمرو بن مہاجر (ثقہ)، محمد بن مہاجر (ثقہ)، معاویہ بن صالح الحضرمی (صدوق لہ اوہام) اور ولید بن سلیمان بن ابی سائب (ثقہ) روایت کرتے ہیں۔ اور امام ابن حبان نے اسے ثقہ کہا ہے (التہذیب ۱۰/ ۲۸۷، التقریب ص ۲۶۳، ۳۲۰، ۳۴۱، ۳۷۰ بالترتیب)۔

مگر ان ثقہ راویوں کے روایت کرنے اور ابن حبان کے ثقہ کہنے کے باوجود امام البانی اس راوی کو نہ تو "صدوق یحتج بہ" کہتے ہیں اور نہ ہی اسکی حدیث کو حسن یا صحیح کہا ہے بلکہ اسکے برعکس فرماتے ہیں:

"قلت: ھذا إسناد ضعیف من اجل المھاجر ھذا فانہ مجھول الحال، ترجمہ ابن ابی حاتم فی کتابہ (۴/ ۱/ ۲۶۰۔ ۲۵۹) ولم یذکر فیہ جرحاً ولا تعدیلاً. و اما ابن حبان فوثقہ علی عادتہ! ولذلک قال الحافظ فی المترجم "مقبول" یعنی عندالمتابعۃ، والا فلین الحدیث. ولم اجد لہ متابعاً فالحدیث ضعیف" (غایۃ المرام ص ۱۵۲)۔

"یعنی میں (البانی) کہتا ہوں یہ اسناد مہاجر کی وجہ سے ضعیف ہے، اس لیے کہ یہ مجہول الحال ہے، ابن ابی حاتم نے اس کا ترجمہ اپنی کتاب میں نقل کیا ہے لیکن کوئی جرح و تعدیل ذکر نہیں کی۔ باقی رہے ابن حبان تو انہوں نے اپنی عادت کے مطابق اسے ثقہ کہا ہے۔ اسی سبب سے حافظ ابن حجر نے اسے مقبول کہا ہے یعنی متابعت میں، ورنہ یہ لین الحدیث ہے۔ اور مجھے اس کا متابع نہیں ملا، لہذا یہ حدیث ضعیف ہے"۔

نیز امام البانی نے اس کی حدیث کو ضعیف ابو داؤد ص ۸۴۔ ۳۸۳،

(۸۳۵)ضعیف ابن ماجہ ص ۱۵۳ (۴۳۷) میں بھی ضعیف کہا ہے۔

(۹) عمرو بن مالک النکری(۱):

ان سے ان کا بیٹا یحییٰ (ضعیف)، نوح بن قیس (صدوق رمی بالتشیع)، صدی بن میمون (ثقہ)، سعید بن زید (صدوق له اوهام)، حماد بن زید (ثقہ ثبت)، محمد بن الحسین(۲) (ثقہ فاضل)، یزید بن کعب (مجہول)، عباد بن عباد (ثقہ ربما وہم)، جعفر بن سلیمان الضبعی (صدوق زاهد لكنه كان يتشيع) وغیرہم روایت کرتے ہیں۔ امام ابن حبان نے اسے ثقہ کہا ہے (التھذیب ۸۴/۸۔۸۵، التاریخ الکبیر للبخاری ۳۷۱/۶، الجرح و التعدیل ۲۵۹/۶، ا لتقریب ص ۳۷۸، ۳۶۰، ۳۴۹، ۱۲۲، ۸۲، ۳۳۱، ۳۸۴، ۱۶۳، ۵۵۔۵۶)۔

(۱) عمرو بن مالک النکری کے متعلق حافظ ابن حجر نے امام ابن حبان سے "یخطئ و یغرب" کے الفاظ نقل کیے ہیں (التھذیب ۸۵/۸)۔ اور غالباً اسی وجہ سے تقریب ص ۲۶۲ میں "له اوهام" کہا ہے۔ مگر واضح رہے کہ کتاب الثقات کے مطبوعہ نسخہ میں مجھے یہ الفاظ نہیں ملے۔ البتہ یہ الفاظ عمرو بن مالک الراسبی کے متعلق وارد ہیں (کتاب الثقات ۲۲۸/۷، التھذیب ۸۴/۸)۔ لہٰذا حافظ صاحب کا ان کے متعلق "له اوهام" کہنا درست نہیں۔ واللہ اعلم۔

تنبیہ:۔ جناب حافظ عبدالرؤف صاحب، حدیث ابن عباسؓ کی تخریج میں عمرو بن مالک النکری کے متعلق فرماتے ہیں "ابن عدی نے اس کو منکر الحدیث اور حدیث کی چوری کرنے والا کہا ہے"۔ (الکامل ابن عدی ۱۷۹۹/۵ بحوالہ قلاح دارین از حکیم محمد اشرف سندھو ص ۳۳)۔

واضح رہے کہ ابن عدی کی اس جرح کو حافظ ابن حجر نے عمرو بن مالک الراسبی کے ترجمہ میں نقل کیا ہے، اور عمرو النکری کے متعلق اس کے وہم ہونے پر تنبیہ بھی کی ہے۔ نیز امام ابن العجمی نے بھی اس جرح کو عمرو بن مالک الراسبی کے ترجمہ میں ہی نقل کیا ہے (التھذیب ۸۴/۸، حاشیہ الکاشف لسبط ابن العجمی بتحقیق محمد عوامه و احمد محمد نمر الخطیب ۸۷/۲، لسان المیزان ۳۷۴/۴ (۱۱۰۷))۔

لہٰذا عمرو النکری اس جرح سے بری ہیں۔ واللہ اعلم۔

(۲) تہذیب میں محمد بن الحسن لکھا ہے، جو کہ مقبول ہے۔ لیکن عمرو سے روایت کرنے والا محمد بن=

یعنی عمرو بن مالک سے سات معتبر راوی روایت کر رہے ہیں۔ اسے حافظ ابن حجر نے "صدوق له اوهام" (التقریب ص ۲۶۲) اور امام ذہبی نے "وثق"(☆) کہا ہے (الکاشف ۸۷/۲)۔

نیز امام منذری اور امام ہیثمی اس کی حدیث کو حسن کہتے ہیں۔

(الترغیب و الترهیب ۳۸۲/۱، و مجمع الزوائد للهیثمی ۴۸/۱)

امام البانی کے نزدیک یہ راوی کم از کم صدوق ہونا چاہیے، مگر اسکے برعکس موصوف لکھتے ہیں:

" قلت: و فيما قالا نظر فان عمراً هذا لم يوثقه غير ابن حبان وهو متساهل في التوثيق حتى انه ليوثق المجهولين عند ألأئمة النقاد كما سبق التنبيه على ذلك مراراً، فالقلب لا يطمئن لما تفرد بتوثيقه .....الخ "۔

(الضعیفہ ۱۳۱/۱، نیز ملاحظہ ہو ارواء الغلیل ۲۵۰/۳، تمام المنة ص ۱۳۸)

یعنی میں (البانی) کہتا ہوں کہ ان دونوں (یعنی امام ہیثمی اور منذریؒ) نے جو کچھ (یعنی روایت کو حسن) کہا ہے اس میں نظر ہے، کیونکہ اس عمرو کو ابن حبان کے علاوہ کسی نے ثقہ نہیں کہا اور وہ توثیق کے معاملہ میں متساہل ہیں حتی کہ وہ ایسی بھی توثیق کر دیتے ہیں جو ائمہ نقاد کے نزدیک مجہول ہوتے ہیں، جیسا کہ میں بار بار تنبیہ کر چکا ہوں۔ پس اکیلے ابن حبان کی توثیق پر دل مطمئن نہیں ہوتا۔

=الحسین ہے (التھذیب ۶۵/۱۰)، ممکن ہے کہ یہ دونوں الگ الگ ہوں اور ہو سکتا ہے کہ محمد بن الحسین ہی ہو لیکن غلطی سے محمد بن الحسن چھپ گیا ہو۔ بہرکیف محمد بن الحسین بھی عمرو سے روایت کرتا ہے جو کہ ثقہ ہے۔

(☆) "الحسین" طبع اول میں غلطی سے "ثقہ" چھپ گیا تھا لیکن صحیح "وثق" ہے۔ امام ذہبی "الکاشف" میں "وثق" عموماً ان رواۃ پر بولتے ہیں جنہیں فقط امام ابن حبان نے ثقہ کہا ہو۔ اس قسم کا راوی عموماً "لین الحدیث" ہوتا ہے۔ اور اگر متابعت میں ہو تو پھر یہ "مقبول" ہوتا ہے۔

قارئین کرام! انصاف فرمایئے کہ جس راوی سے سات معتبر راوی روایت کر رہے ہوں، امام ابن حجرؒ صدوق کہتا ہو اور امام منذری اور امام ہیثمیؒ اسکی حدیث کو حسن کہتے ہوں، تو اسکی توثیق پر امام البانی کا دل مطمئن نہیں، مگر ہیثم بن عمران، جسے نہ تو حافظ ابن حجرؒ نے صدوق کہا اور نہ ہی کسی محدث نے اسکی حدیث کو حسن کہا بلکہ اسکا تو تفرد بھی واضح ہے۔ لیکن امام البانی کا نہ فقط اسکی توثیق پر دل مطمئن ہے بلکہ اسکی حدیث کو حسن بھی کہا ہے۔ بتایئے کیا یہ انصاف ہے!

(۱۰) عمرو بن العلاء الیشکری البصری:۔

اس سے امام وکیع بن الجراح (ثقہ حافظ عابد)، ابو الولید ھشام بن عبدالملک الطیالسی (ثقہ ثبت)، عبدالصمد بن عبدالوارث (صدوق ثبت فی شعبہ)، موسیٰ بن اسماعیل (ثقہ ثبت)، ابو داود الطیالسی (ثقہ حافظ غلط فی احادیث) وغیرہ روایت کرتے ہیں، اور امام ابن حبان نے اسے ثقہ کہا ہے (التاریخ الکبیر ۳۶۰/۶، الجرح و التعدیل ۲۵۱/۶، الاکمال فی ذکر من له روایة فی مسند الامام احمد للحسینی ص ۳۱۸، الثقات لابن حبان ۴۷۸/۸، تعجیل المنفعة ص ۲۰۶، التقریب ص ۳۶۹، ۳۶۴، ۲۱۳، ۳۴۹، ۱۳۳ بالترتیب)۔

نیز اسکی حدیث کو امام ہیثمیؒ نے حسن کہا ہے اور امام ابن حبانؒ اس سے اپنی "صحیح" میں روایت کرتے ہیں (مجمع الزوائد ۱۹۲/۴، صحیح ابن حبان ۸/(۵۰۳۳))۔

اسی طرح امام منذریؒ نے اس کی روایت کو "عن" سے نقل کرکے کوئی کلام نہیں کیا، یعنی ان کی شرط کے مطابق اسکی روایت حسن یا صحیح ہے (الترغیب والترھیب ۱۵۷/۳)۔

حاصل کلام یہ کہ عمرو بن العلاء، ہیثم بن عمران کے طبقہ کا راوی ہے بلکہ اس سے کہیں بہتر ہے، کیونکہ اس کی حدیث کو مذکورہ بالا محدثین حسن یا صحیح قرار

دیتے ہیں جبکہ ہیثم کی روایت کو کسی محدث نے صحیح یا حسن نہیں کہا۔

اب حق تو یہ تھا کہ امام البانی عمرو کو اپنے قاعدے کے مطابق "صدوق یحتج به" کہتے، مگر اپنے ہی قاعدے سے اعراض کرتے ہوئے اور امام ہیثمیؒ کی تحسین کو غیر حسن قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

"والأخری: عمرو بن العلاء...... و ذکر فی ترجمته انه روی عنه جماعة من الثقات ولم یذکر فیه توثیقاً فهو مجهول الحال" (الضعیفة ۲۸۰/۳).

یعنی "دوسری علت عمرو بن العلاء راوی ہے.... اسکے ترجمہ میں مذکور ہے کہ ثقہ راویوں کی ایک جماعت اس سے روایت کرتی ہے، مگر اس میں اسکی توثیق کو ذکر نہیں کیا گیا، پس یہ مجہول الحال ہے"۔

ملاحظہ فرمائیں کہ ثقہ راویوں کے روایت کرنے کے باوجود اگر عمرو مجہول الحال ہے تو پھر ہیثم بن عمران کس طرح صدوق ہو سکتا ہے۔

یہ دس امثلہ اور اس قبیل کی دیگر متعدد امثلہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ امام البانی خود اپنے اس قاعدے پر مطمئن نہیں۔ اسی سبب سے وہ عجیب و غریب تناقض کا شکار ہو گئے ہیں۔ نیز اس قسم کے راویوں کو کبھی تو معتبر قرار دیتے ہیں اور کبھی مجہول الحال۔ اسکی بھی چند امثلہ ملاحظہ ہوں۔

(۱) **المحرر بن ابی هریرة:۔** اسے ارواء الغلیل (۳۰۱/۴) میں ثقہ قرار دیا ہے، جبکہ الصحیحة (۱۵۶/۴) میں حافظ ابن حجرؒ کے قول "مقبول" پر اعتماد کیا ہے۔

(۲) **ابو میمونة:۔** ارواء الغلیل (۲۳۸/۳) میں اسے ثقہ کہا ہے۔ لیکن (الضعیفة ۴۹۲/۳) میں امام دار قطنی کے قول "مجهول یترك" پر اکتفا کیا ہے۔

(۳) **عمرو بن مالك الشکری:۔** اس کو الضعیفة (۱۳۱/۱) میں مجہول کہا ہے، جبکہ سلسلة الصحیحة (۶۰۸/۵) میں ثقہ قرار دیا ہے۔

(۴) صالح بن ابی عریب: اسے ارواء الغلیل (۳/۱۵۰) میں حسن الحدیث کہا ہے، مگر الضعیفۃ (۴/۱۴۳) میں ابن قطان کے قول " لا یعرف حالہ" اور ابن حجرؒ کے "مقبول" پر اکتفا کیا ہے۔ نیز تحقیق المشکاۃ (۱/۵۰۶ (۱۶۲۱)) بھی ملاحظہ فرمائیں۔

(۵) موسیٰ بن جبیر: امام البانی نے اسے ارواء الغلیل (۷/۱۵۸) میں مجہول الحال قرار دیا ہے۔ (نیز الضعیفۃ ۱/۲۰۵ بھی ملاحظہ ہو)۔ مگر الصحیحۃ (۳/۱۲) میں اسے عدم مخالفت میں حسن الحدیث قرار دیا ہے۔

امام البانی کا یہ طریقہ تحقیق ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔ دلچسپ بات تو یہ ہے کہ اگر کوئی محدث خلاف اصول کوئی بات کر دے تو پھر امام البانی بڑے دلچسپ انداز میں اس پر نقد کرتے ہیں۔ مثلاً کسی راوی کے متعلق امام ذہبیؒ فرماتے ہیں:

" ما علمت فیہ جرحاً " یعنی میں اس کے متعلق کسی جرح کو نہیں جانتا۔

تو اسکے جواب میں امام البانی فرماتے ہیں:

" قلت: فقد یقال فهل علمت فیہ توثیقاً ؟ فان عدم الجرح لا یستلزم التوثیق" (الضعیفة ۲/۳۲۱)

"یعنی میں کہتا ہوں کہ پس تحقیق (اس کے واسطے) کہا جائے گا کہ کیا آپ اس کے متعلق توثیق جانتے ہیں؟ پس جرح کا نہ ہونا توثیق کو لازم نہیں"۔

نیز اسی طرح جب امام ابن جوزیؒ نے ایک راوی سفیان کی حدیث کو صحیح کہا اور کہا " ما علمنا احداً طعن فی سفیان بن بشر" یعنی ہم نہیں جانتے کہ کسی نے سفیان بن بشر کے معاملے میں طعن کیا ہو۔ تو امام البانی نے اس کا جواب ان الفاظ سے دیا کہ:

" فهو تصحیح علی حجة لا تساوی سماعها ! فان کل راوٍ مجهول عندالمحدثین یصح ان یقال فیہ " ما علمنا احداً طعن فیہ" فهل یلزم من ذلک

تصحیح حدیث المجهول؟! اللهم لا و إنها لزلة من عالم يجب اجتنابها." (الضعیفة ۲/۱۳۷)

"یعنی اس تصحیح کی بنیاد ایک ایسی دلیل ہے جو سننے کے قابل بھی نہیں (چہ جائیکہ اسے قبول کیا جائے)۔ ہر وہ راوی جو محدثین کے نزدیک مجہول ہو کیا اس کے متعلق یہ کہنا درست ہے کہ " ہم نہیں جانتے کہ اس پر کسی نے طعن کیا ہو" ؟ کیا اس طرح مجہول راوی کی حدیث کی تصحیح لازم آئے گی؟ اللہ کی قسم نہیں، بلکہ یہ تو ایک عالم کی لغزش ہے جس سے اجتناب کرنا واجب ہے"۔

یعنی جب کسی محدث کو راوی پر جرح معلوم نہ ہو اور وہ اسکی روایت کو حسن وغیرہ قرار دیتا ہو تو پھر اس راوی کی توثیق طلب کی جاتی ہے۔ مگر یہی معاملہ جب اپنے ساتھ ہو تو محض ثقہ راویوں کے روایت کرنے سے عدالت وضبط وغیرہ سب کچھ ثابت ہو جاتا ہے۔ اناللہ و انا الیہ راجعون.

یہی نہیں بلکہ جب امام ابن حبانؒ نے ایک راوی کو ثقہ کہا پھر اس سے اپنی صحیح میں روایت بیان کی تو امام البانی صاحب نے نہ فقط ان کے قاعدے کو رد کردیا بلکہ یہاں تک کہا کہ

"فلا تغتر بذلک فانه قد شذ فی ذلک عن التعریف الذی اتفق علیه جماهیر المحدثین فی الحدیث الصحیح و هو: " مارواه عدل، ضابط عن مثله" فأین العدالة و أین الضبط فی مثل هؤلاء المجهولین." (الضعیفة ۲/۳۲۸)

"یعنی اس بات سے دھوکہ نہ کھانا۔ اس لیے کہ (ابن حبان) صحیح حدیث کی اس تعریف سے ہٹ گئے ہیں جس پر جمہور محدثین کا اتفاق ہے، وہ یہ ہے کہ " عادل اور ضابط راوی اپنے ہی جیسے (عادل و ضابط) راوی سے روایت کرے"۔ تو اس طرح کے مجہول راویوں میں عدالت اور ضبط کہاں ہے۔؟

کیا یہ تمام باتیں ہیثم بن عمران پر صادق نہیں آتیں۔؟ کیا ہیثم بن عمران

میں عدل و ضبط موجود ہے۔ ؟ اہل علم سے انصاف مطلوب ہے۔

نیز اسی طرح جب کسی حدیث کو، راوی کی جہالت کی بنا پر ضعیف قرار دیتے ہیں تو فرماتے ہیں "ابن ابی حاتم نے اسے "الجرح والتعدیل" میں ذکر کیا ہے اور کوئی جرح و تعدیل ذکر نہیں کی، پس یہ مجہول الحال ہے وغیرہ وغیرہ"۔ (غایۃ المرام ص ۳۷ و ۱۵۲، ظلال الجنۃ فی تخریج احادیث کتاب السنۃ ۲۳/۱، ۳٤، ٦۲ وغیرھما)۔

مثال کے طور پر مالک الدار* کے قصہ (یا ساریۃ الجبل) کو لیجئے، امام البانی اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

" والجواب من وجوه: الاول عدم التسليم بصحة هذه القصة، لأ مالك الدار غير معروف العدالة و الضبط و هذان شرطان اساسيان في كل سند صحيح كما تقرر في علم المصطلح، و قد اورده ابن ابي حاتم في الجرح والتعديل (٢١٣/١/٤) ولم يذكر راوياً عنه غير ابي صالح هذا ففيه إشعار بانه مجهول و يؤيده ان ابن ابي حاتم نفسه. مع سعة حفظه و اطلاعه. لم يحك فيه توثيقا فبقي على الجهالة...." (التوسل انواعه و احكامه ص ١٢٠)۔

" یعنی ہمیں اس قصہ کی صحت تسلیم نہیں کیونکہ مالک الدار عدالت اور ضبط کے لحاظ سے غیر معروف ہے جبکہ یہ دونوں شرائط، ہر صحیح سند کے لیے بنیادی حیثیت رکھتی ہیں، جیسا کہ علم المصطلح میں یہ تسلیم شدہ ہے، اور ابن ابی حاتم نے اسے "الجرح والتعدیل" میں ذکر کیا ہے اور مالک سے ابو صالح کے علاوہ کوئی اور راوی ذکر نہیں کیا۔

* مالک بن عیاض الدار سے چار راوی روایت کرتے ہیں۔ امام ابن حبان اسے ثقہ اور ابن سعد اسے معروف کہتے ہیں۔ یہ عمر بن خطابؓ کے دور خلافت میں انکے خازن تھے۔ نیز انکی تعریف بھی کی گئی ہے (الاصابہ لابن حجر ۲۱۶/٦ (۸۳۷۵)، الطبقات لابن سعد ۱۲/۵، الارشاد للخلیلی ۳۱۳/۱، الثقات لابن حبان ۳۸٤/۵)۔

یعنی وہ یہ بات باور کرانا چاہتے ہیں کہ یہ مجہول ہے۔ اور انکی اس بات سے بھی تائید ہوتی ہے کہ ابن ابی حاتم نے باوجود وسعت حفظ اور اطلاع ہونے کے کسی سے انکی توثیق ذکر نہیں کی، مطلب یہ کہ یہ فی الواقع مجہول ہے"۔

اب ان خط کشیدہ عبارات کو مد نظر رکھتے ہوئے امام البانی کی درج ذیل عبارت ملاحظہ فرمائیں جو انہوں نے ہیثم بن عمران کے ترجمہ میں کی ہے۔

" اورده ابن ابي حاتم.... ولم يذكر فيه جرحاً ولا تعديلاً لكن رواية هؤلاء الثقات الثلاثة عنه ويضم اليهم رابع وهو الهيثم بن خارجة و خامس وهو يونس بن بكير مما يجعل النفس تطمئن لحديثه لانه لو كان فيه شي من الضعف لتبين في رواية احد هؤلاء الثقات عنه، ولعرفه اهل الحديث كابني حبان و ابي حاتم (الضعيفة ٣٩٢/٢)۔

حاصل عبارات یہ کہ ابن ابی حاتم نے اسے "الجرح والتعدیل" میں ذکر کیا ہے لیکن اس پر کوئی جرح و تعدیل ذکر نہیں کی، لیکن اس سے پانچ ثقہ راویوں (یعنی محمد بن وهب، هشام بن عمار، سلیمان بن شرحبیل، هیثم بن خارجه، اور یونس بن بکیر) کا روایت کرنا انکی حدیث کی تصحیح پر اطمینان نفس کیلئے کافی ہے۔ اگر اس (هیثم بن عمران) میں کوئی ضعف ہوتا تو مذکورہ بالا ثقہ رواۃ اسے ضرور بیان کرتے اور نہ ہی یہ ضعف امام ابن حبان اور ابن ابی حاتم پر پوشیدہ رہتا۔

اب دونوں خط کشیدہ عبارتوں کا موازنہ کیجئے کہ کس طرح ایک راوی کی روایت کو ضعیف اور اسی طبقے کے ایک دوسرے راوی کی روایت کو صحیح یا حسن کہا جارہا ہے، یعنی ایک طرف تو یہ فرمارہے ہیں کہ ابن ابی حاتم نے باوجود وسعتِ علم کے مالک الدار کی توثیق کو ذکر نہیں کیا لہٰذا یہ مجہول ہے، جبکہ دوسری طرف یہ کہہ رہے ہیں کہ راوی (هیثم بن عمران) "صدوق يحتج به" ہے لہٰذا انکی حدیث حسن ہے، کیونکہ اگر اس میں کوئی ضعف ہوتا تو ابن ابی حاتم وغیرہ ضرور ذکر فرماتے۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ

ہماری ان اغلاط و کوتاہیوں سے درگزر فرمائے۔ یہ طریقہ تحقیق اہل علم کے شایان شان نہیں۔

تنبیہ: واضح رہے کہ جن رواۃ کو ابن ابی حاتم نے بغیر جرح و تعدیل کے ذکر کیا ہے تو اس کا یہ ہرگز مطلب نہیں کہ وہ ثقہ یا صدوق ہے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسے راویوں کے متعلق امام صاحب کو کوئی جرح و تعدیل نہیں ملی اس لیے فقط ان کے تعارف پر ہی اکتفا کیا ہے۔ نیز ملاحظہ ہو الجرح و التعدیل (۳۸/۲)۔

امام ذہبی اس قسم کے رواۃ کو جنہیں ابن ابی حاتم نے بغیر جرح و تعدیل کے ذکر کیا ہے، عموماً "مجہول" یا "لا یعرف" کہتے ہیں۔ مثال کے طور پر ملاحظہ فرمائیں: ازھر بن راشد، اسماعیل بن یحیی المعافری، اسماعیل بن یوسف، انس، انس بن جندل، اوس بن ابی اوس، ایاس بن خلیفہ، ایاس بن تمیم، بحر بن سعید، البراء بن اسلیطی وغیرہ۔

(میزان الاعتدال ۱/ رقم (۶۹۳) (۹۶۷) (۹۷۲) (۱۰۳۶) (۱۰۳۷) (۱۰۴۳) (۱۰۴۹) (۱۰۵۵) (۱۱۲۶) (۱۱۴۳))۔

لہذا ابن ابی حاتم یا کسی اور محدث کا جرح وغیرہ نقل نہ کرنے کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ وہ غیر مطعون ہے۔

ھیثم بن عمران کی حدیث کو حسن کہنے کی ایک بنیاد امام البانی کا ان سے حسن ظن بھی ہے اور اس "حسن ظن" کے متعلق امام سخاوی سے دو اقوال بطور دلیل بھی نقل کیے ہیں۔

(۱) لأن الاخبار تبنی علی حسن الظن بالراوی۔

یعنی راوی کے ساتھ حسن ظن ہی احادیث کی بنیاد ہے۔

(۲) و کثرۃ روایۃ الثقات عن الشخص تقوی حسن الظن بہ۔

یعنی ثقہ راویوں کا کسی شخص سے بکثرت روایت کرنا اس کے متعلق حسن

ظن کو مضبوط کرتا ہے (تمام المنۃ ص ۲۰۶-۲۰۷)۔

اولاً: معلوم ہونا چاہیے کہ یہ کوئی متفق علیہ قاعدہ نہیں کہ مجہول العدالۃ یا مستور راوی کی روایت کو محض حسن ظن کی بنیاد پر حسن یا صحیح قرار دیا جائے۔ خود امام البانی نے متعدد مقامات پر مجہول العدالۃ راویوں کی روایات کو رد کر دیا ہے اور کوئی حسن ظن نہیں رکھا۔

ثانیاً: امام عبدالرحمن بن مہدیؒ فرماتے ہیں کہ

" خصلتان لا یستقیم فیھما حسن الظن، الحکم والحدیث، یعنی لا یستعمل حسن الظن فی قبول الروایۃ عمن لیس بمرضی " (الجرح والتعدیل ۳۵/۲، و اسنادہ صحیح)۔

یعنی دو باتیں ایسی ہیں جن میں حسن ظن رکھنا بہتر نہیں، ایک فیصلہ دوسرا حدیث، یعنی غیر پسندیدہ راوی کی روایت کو قبول کرنے میں حسن ظن استعمال نہیں کیا جائے گا۔

اور ظاہر بات ہے کہ مجہول الحال یا مستور راوی غیر پسندیدہ ہے اور جمہور نے انکی روایت کو رد کر دیا ہے۔ اس لیے امام البانی کا ھیثم بن عمران سے حسن ظن رکھنا قطعاً غیر مستحسن اور ناجائز ہے۔ واللہ اعلم۔

الغرض یہ تو تھا وہ قاعدہ جس کی بنیاد پر امام البانی نے ھیثم بن عمران کو صدوق قرار دے کر حدیث ھٰذا کو حسن کہا ہے۔ لیکن ہم نے اس تفصیلی بحث میں یہ ثابت کر دیا ہے کہ نہ تو یہ قاعدہ درست ہے اور نہ ہی ھیثم صدوق راوی ہے بلکہ اس کی جہالت بدستور قائم ہے۔

اس روایت کے مردود ہونے کیلئے تو اتنا ہی کافی ہے مگر پھر بھی ہم اس روایت کا اصول حدیث کی روشنی میں مزید جائزہ لیتے ہیں۔ اس سلسلہ میں جو روایات

منقول ہیں وہ مع سند ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) حدثنا عبیداللہ (الاصل عبداللہ) بن عمر حدثنا یونس بن بکیر عن الھیثم عن عطیہ بن قیس عن الأزرق بن قیس رأیت ابن عمر یعجن فی الصلاۃ یعتمد علی یدیہ اذا قام فقلت لہ؟ فقال رأیت رسول اللہ ﷺ یفعلہ (غریب الحدیث لامام ابو اسحاق الحربی ۵۲۵/۲ باب عجن الحدیث السابع و الثلاثون، الضعیفۃ ۳۹۲/۲)۔

(۲) حدثنا علی بن سعید الرازی، قال حدثنا عبداللہ ابن عمر بن ابان، قال حدثنا یونس بن بکیر قال حدثنا الھیثم بن علقمۃ بن قیس بن ثعلبۃ، عن الأزرق بن قیس قال رأیت عبداللہ بن عمر وھو یعجن فی الصلاۃ یعتمد علی یدیہ اذا قام۔ فقلت: ما ھذا یا أبا عبدالرحمٰن ؟ قال رأیت رسول اللہ ﷺ یعجن فی الصلاۃ۔ یعنی یعتمد (المعجم الاوسط للطبرانی ۱۶/۵۔۱۷)۔

امام طبرانی اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"لم یرو ھذا الحدیث عن الازرق الا الھیثم، تفرد بہ یونس بن بکیر"۔

یعنی اس حدیث کو الازرق سے سوائے الھیثم کے کسی نے بیان نہیں کیا اور یونس بن بکیر اس حدیث کو بیان کرنے میں متفرد ہیں۔

عجن کے متعلق عموماً یہی دو روایات پیش کی جاتی ہیں اور دونوں "یونس بن بکیر عن الھیثم" کے طریق سے مرفوعاً مروی ہیں۔ ہماری تحقیق کے مطابق اس روایت میں درج ذیل علتیں ہیں۔

(۱) یہ روایت ھیثم بن عمران کے مجہول الحال ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔ جیسا کہ مفصل بیان ہوا۔

(۲) یہ روایت درج ذیل وجوہات کی بنا پر شاذ ہے

ا۔ اس روایت کو کامل بن طلحہؒ نے حماد بن سلمہؒ سے ابن عمرؓ پر موقوف بیان

کیا ہے (السنن الکبری ۱۳۵/۲)۔ جبکہ یہی روایت بطریق "ھیثم بن عمران" عن الازرق بن قیس" ابن عمرؓ سے مرفوعاً مروی ہے (غریب الحدیث للحربی ۵۲۵/۵)۔

ب۔ کامل بن طلحہؒ کی روایت میں "اعتمد علی الارض بیدیہ" کے الفاظ ہیں جبکہ ھیثم بن عمرانؒ "یعجن" کے الفاظ بیان کرتے ہیں۔ اور کامل بن طلحہؒ، ھیثم بن عمرانؒ سے اوثق ہے۔ کامل کی امام احمد، ابو حاتم، دارقطنی، ابن حبان نے توثیق کی ہے، اور حافظ ابن حجرؒ نے اسے "لابأس بہ" کہا ہے (التھذیب ۳۶۶/۸، التقریب ص ۴۸۲)۔

جبکہ ھیثم بن عمران مجہول الحال ہے۔ لہذا ھیثم کی روایت کامل کی روایت کے مخالف ہونے کی وجہ سے شاذ و مردود ہے۔

(۳) اس روایت میں اضطراب کا بھی امکان ہے کیونکہ یہ روایت ھیثم ہی کے طریق سے مرفوعاً بھی مروی ہے۔ مگر اس میں بھی "یعجن" کے الفاظ نہیں، امام البانیؒ فرماتے ہیں:

"اخرجہ الطبرانی فی الاوسط (۱/۱۹۰/۲ رقم ۳۳۷۱۔ط) من طریق عبدالحمید الحمانی قال نا الھیثم (☆) بن عطیہ البصری عن الازرق بن قیس قال رأیت ابن عمر فی الصلاۃ یعتمد اذا قام، فقلت ما ھذا؟ قال رأیت رسول اللہ ﷺ یفعلہ۔

وقال (یعنی الطبرانی) لم یروہ عن الازرق الا الھیثم تفرد بہ الحمانی۔
(سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ ۳۸۲/۶)

اس سند میں ھیثم بن عطیہ اگر ھیثم بن عمران ہے تو پھر یہ روایت مضطرب ہوگی کیونکہ کبھی تو یہ راوی عجن کے الفاظ ذکر کرتا ہے اور کبھی "یعتمد" کے۔ نیز

(☆) الھیثم بن عطیہ کا ترجمہ مجھے نہیں ملا ممکن ہے کہ یہ "الھیثم عن عطیہ" ہو جیسا کہ امام البانی نے کہا ہے۔ نیز الاوسط الطبرانی کے مطبوعہ نسخہ میں الھیثم بن عطیہ البصری ہے (الاوسط ۲۱۰/۴)

ایسی صورت میں "یعتمد" کے الفاظ کا ہی اعتبار ہو گا کیونکہ یہ دیگر ثقہ رواۃ کی تائید میں ہے۔

تنبیہ: امام البانی نے اس روایت کو یونس بن بکیر کی تائید میں پیش کیا ہے۔ مگر واضح رہے کہ یہ روایت بجائے تائید کرنے کے تردید کر رہی ہے کیونکہ اولاً: اس میں "عجن" کے الفاظ نہیں۔ ثانیاً: یہ روایت "اعتماد علی الارض" والی روایتوں کی تائید کر رہی ہے۔ واللہ اعلم۔

(۴) یہ روایت سنداً و متناً بھی غریب ہے۔ سنداً اس طرح کہ یہ روایت فقط "یونس بن بکیر عن الهیثم" کے طریق سے مروی ہے اور متناً اس طرح کہ "یعجن" کا اضافہ بھی فقط اسی روایت میں ہے۔

فائدہ: امام البانی اسطرح کی غریب روایت کو عموماً ضعیف قرار دیتے ہیں ملاحظہ ہو: تحقیق المشکاۃ للالبانی ۱/رقم ۷۴، ۳۵۳، ۶۰۶، ۶۶۴، ۷۲۰، ۹۹۹، ۱۱٤۲، ۱۲٦۷، ۱۳۲۹، ۱۵۷۲ وغیرھا، ریاض الصالحین بتحقیق الالبانی ص ۱۱-۱۲ رقم ۱۵، ۱۹ وغیرھا۔

(۵) اس روایت کو منکر بھی کہا جا سکتا ہے۔ کیونکہ "یعجن" کا اضافہ "یونس بن بکیر عن الہیثم" سے مرفوعاً مروی ہے اور یونس "صدوق یخطی" (التقریب ص ۳۹۰) اور ہیثم "مجھول الحال" ہے۔ لہٰذا ایک تو مرفوع بیان کرنے اور دوسرا زیادتی میں تفرد کی بناء پر یہ روایت منکر کہلائے گی۔

(۶) بفرض محال اگر اس روایت کو حسن بھی تسلیم کر لیا جائے تو یہ روایت درج ذیل وجوہات کی بناء پر مرجوح اور "اعتمد علی الارض" والی روایت راجح ہو گی۔

ا۔ عبدالحمید الحمانی بخاری کا راوی ہے، اسی طرح حماد بن سلمہ سے امام بخاری (نے معلقاً) اور امام مسلم نے روایت لی ہے۔

ب۔ "اعتمد علی الارض" کا مضمون متعدد ثقہ رواۃ سے منقول ہے۔

ت۔ "اعتمد علی الارض" والی روایت کے شواہد و متابع بھی موجود ہیں جبکہ "عجن فی الصلاۃ" کا کوئی متابع نہیں۔

ث۔ "اعتمد علی الارض" والی روایت کے متن و سند میں کوئی اختلاف نہیں، جبکہ "یعجن" کی روایت کی سند و متن (رفع و نقلِ الفاظ) میں اختلاف ہے۔

ج۔ "عجن فی الصلاۃ" کی روایت میں کلام ہے۔ جبکہ اعتماد والی روایت میں کوئی کلام نہیں۔

ح۔ "اعتمد علی الارض" کی روایت کے تمام راوی بلحاظ ضبط و اتقان معروف، ثقہ و معتبر ہیں، جبکہ "حدیث عجن" کے رواۃ اس سے کم درجہ کے ہیں اور الہیثم بن عمران مجہول الحال ہے۔

یہ وہ اسباب ہیں جن کی بناء پر حدیث "اعتمد علی الارض بیدہ" راجح ہے اور حدیث عجن "مرجوح" ہے۔ اور واضح رہے کہ مرجوح روایت مردود ہوتی ہے۔ (شرح النخبہ ص ٤٦-٤٧، قواعد التحدیث للقاسمی ص ۱۰۷، اسباب المطر ص ٥٢ وغیرہ)

عجن کے متعلق ایک اور روایت جناب ابن عباسؓ سے مروی ہے جسکے الفاظ یہ ہیں:

"ان رسول اللہ ﷺ کان اذا قام فی صلاتہ وضع یدہ علی الارض کما یضع العاجن" (التلخیص الحبیر ۱/۲٦۰)

"رسول اللہ ﷺ جب اپنی نماز میں کھڑے ہوتے تو اپنا ہاتھ زمین پر اس طرح رکھتے جس طرح عاجن (گوندھنے والا) رکھتا ہے"۔

یہ روایت چونکہ باطل ہے اس لئے علامہ موصوف نے اسے اپنی تائید میں پیش نہیں کیا۔

حافظ ابن حجر العسقلانیؒ اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں :

"ابن الصلاح "الوسیط" پر اپنے کلام میں فرماتے ہیں : یہ حدیث صحیح نہیں ہے اور نہ مشہور و معروف ہے اور اس سے احتجاج کرنا درست نہیں۔ اور امام نوویؒ "شرح المهذب" میں فرماتے ہیں : یہ حدیث ضعیف یا باطل ہے اس کی کوئی اصل نہیں ہے اور "التنقیح" میں فرمایا : ضعیف یا باطل ہے اور شرح مہذب میں فرمایا : امام غزالیؒ سے نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے اپنے درس میں فرمایا : یہ (لفظ) زاء اور نون کے ساتھ زیادہ صحیح ہے اور یہ وہ شخص ہے کہ اپنے ہاتھ کو بند کرتا ہے اور اس پر ٹیک لگا کر کھڑا ہوتا ہے۔ فرمایا : اور اگر حدیث صحیح ہو تو اسکا مطلب ہو گا کہ ہاتھ کی ہتھیلی پر ٹیک لگا کر کھڑا ہوا جیسا کہ عاجز و ناتواں انسان سہارا لیتا ہے اور وہ بوڑھا آدمی ہی ہوتا ہے اور اس سے مراد آٹا گوندھنے والا نہیں ....ابن الصلاح فرماتے ہیں :

یہ حدیث ثابت نہیں اور اگر ثابت ہو جائے تو اس کے یہ معنی نہیں ہیں کیونکہ عاجن لغت میں بوڑھے آدمی کو کہتے ہیں .... فرمایا کہ اگر یہ بڑھاپے کا وصف ہے تو عاجن العجین (آٹا گوندھنے والا) سے ماخوذ ہے اور یہ تشبیہ ہے ہاتھوں کو زمین پر رکھتے وقت شدت اعتماد کی نہ کہ اس سے ہاتھ کی انگلیوں کو بند کرنا مراد ہے۔ الغزالی نے فرمایا : اور جب ہم اسے زاء کے ساتھ کہیں گے تو اس سے مراد وہ بوڑھا آدمی ہے جو اٹھتے وقت بڑھاپے کی وجہ سے زمین پر اپنے ہاتھوں کے ذریعے سہارا لیتا ہے۔ ابن الصلاح نے فرمایا : "المحکم" میں "المغربی الضریر المتأخر" سے مروی ہے کہ کہا کہ العاجن کا مطلب زمین پر سہارا لینے والا اور ہتھیلی کو بند کرنے والا ہے۔ اور ان کی یہ بات قبول نہیں کی گئی ہے۔ اور ان کی وہ بات قبول نہیں کی جائے گی جس میں وہ منفرد ہوں۔ اس لئے کہ وہ غلطیاں کرنے والے اور بہت مغالطہ دینے والے تھے" (تلخیص الحبیر ۲۶۰/۱)

اس تفصیل سے یہ مسئلہ نکھر کر سامنے آگیا کہ اگر یہ حدیث صحیح بھی ہوتی

تو اس کا مطلب عاجن العجین کی طرح زمین پر سہارا لینا مراد نہیں ہے بلکہ ہتھیلی کے ساتھ زمین کا سہارا لینا مراد ہے۔

اس تفصیلی بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ صحیح بخاری کی روایت میں "اعتمد علی الارض" یعنی "ہاتھوں کو زمین پر ٹیکتے تھے" کے الفاظ آئے ہیں۔ اور جناب عبداللہ بن عمرؓ کی روایت میں "اعتمد علی الارض بیدہ" "وہ اپنے ہاتھوں کو زمین پر ٹیکتے تھے" یعنی اپنے ہاتھوں کے ساتھ زمین کا سہارا لیا کرتے تھے۔

اور جناب عبداللہ بن عمرؓ کی موقوف روایت کے الفاظ ہیں "معتمد علی الارض" "وہ زمین پر (اپنے ہاتھوں کے ذریعے) سہارا لیا کرتے تھے"۔ ان میں سے کسی صحیح روایت میں عجن کے الفاظ نہیں آئے ہیں۔ "اعتمد علی الارض" کی روایت میں وہیب، ایوب اور ابو قلابہ کی تائید عبدالوہاب، خالد الحذاء، کامل ابن طلحہ، ازرق بن قیس، عبدالحمید وغیرہ کر رہے ہیں جو کہ یونس بن بکیر اور ھیثم سے کہیں زیادہ ثقہ ہیں۔ مثلاً حماد بن سلمہ اور خالد الحذاء وغیرہ اور یونس بن بکیر اور ھیثم کے عجن کے الفاظ کی کسی دوسرے راوی نے تائید نہیں کی ہے۔ جبکہ صحیح بخاری اور سنن النسائی کی روایت کی تائید السنن الکبریٰ کی عبداللہ بن عمر والی روایت کر رہی ہے۔ اسی طرح مصنف عبدالرزاق میں عبداللہ بن عمرؓ کا اثر بھی اس روایت کی تائید کرتا ہے اور جناب عبداللہ بن عمرؓ کی "المعجم الاوسط" سے جو روایت علامہ موصوف نے یونس بن بکیر کی تائید میں پیش کی ہے وہ بھی اس کی زبردست تائید کر رہی ہے۔ اسی طرح سجدہ میں جاتے وقت جناب عبداللہ بن عمرؓ اور جناب ابوہریرہؓ کی جو روایت ہم نے شروع میں نقل کی ہیں وہ بھی اس کی تائید کرتی ہیں اور ان تمام روایات سے "اعتمد علی الارض بیدہ" کا مضمون ہی ثابت ہوتا ہے۔ اور ہماری تحقیق کے مطابق "اعتمد علی الارض بیدہ" سے مراد ہتھیلی ہے اور اس کی وضاحت ہم شروع میں کر چکے ہیں۔ نیز "یدین" کی تشریح "کفین" سے بھی بہت سی احادیث میں مروی ہے۔ اور عجن سے مراد

بھی فقط آہ کو مدد ینے والے کی طرح ہاتھوں کی کیفیت مراد ہی نہیں بلکہ اپنے ہاتھوں پر ٹیک لگا کر اٹھنا بھی ہے۔

(المنجد ص ٦٣٤، لغات الحدیث لعلامہ وحید الزمانؒ ٣٤/٣)

اور ویسے بھی کسی بوڑھے انسان کا سارا پورے ہاتھ مع ہتھیلی کے ہی مضبوط اور قوی ہو سکتا ہے نہ کہ فقط بند مٹھی سے۔ لہٰذا ایسی صورت میں معروف معنی ہی مراد لینا زیادہ اولیٰ ہے۔

اس تفصیلی بحث میں ہم یہ ثابت کر چکے ہیں کہ حدیث عجن ہر اعتبار سے ضعیف، شاذ اور منکر ہے اور اگر اسکو حسن بھی تسلیم کیا جائے تو پھر بھی یہ مرجوح ہے لہٰذا اس سے احتجاج کرنا اور اس پر عمل کرنا درست نہیں۔

ھذا ما عندی و اللہ اعلم بالصواب.
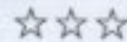
محققین علماء کا مؤقف

بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ حدیث عجن کی تضعیف فقط راقم الحروف نے کی ہے مگر انکا یہ خیال غلط اور عدم علم کا نتیجہ ہے۔ راقم سے قبل عرب و عجم کے محققین علماء اس روایت کو ضعیف اور ناقابل عمل قرار دے چکے ہیں۔ مثلاً

(١) علامہ ابو عبدالرحمٰن فوزی بن عبداللہ الاثری حفظہ اللہ تعالیٰ اس روایت کو ضعیف قرار دیکر فرماتے ہیں:

"قلت: فلا یشرع العمل بھذا الحدیث بعد ثبوت ضعفہ"

(سراج المنقین فی صفۃ صلاۃ خاتم المرسلین ص ٣٢٥)

یعنی میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کے ضعیف ثابت ہو جانے کے بعد اسپر عمل کرنا درست نہیں۔

(٢) الشیخ بکر بن عبداللہ ابو زید حفظہ اللہ تعالیٰ (مصنف تحریف النصوص من مآخذ اھل الاھواء فی الاستدلال) نے اس پر باقاعدہ ایک جزء " کیفیۃ النھوض فی الصلاۃ" لکھا ہے۔ (مگر افسوس کہ وہ ہمیں دستیاب نہ ہو سکا)۔ نیز اپنی ایک دوسری کتاب میں لکھتے ہیں کہ:

"مع ان الحدیث ضعیف لا تقوم بہ حجۃ و ترک التسنن بہ مدی القرون علۃ قادحۃ...... الخ" (لا جدید فی احکام الصلاۃ ص ٤٧۔٤٨)۔

" یعنی باوجود اسکے کہ یہ حدیث ضعیف ہے، اس سے حجت قائم نہیں ہوتی، اور ایک طویل زمانے سے اس پر عمل نہ ہونا بھی علت قادحہ ہے۔

(٣) علامہ السید محب اللہ شاہ الراشدیؒ نے حدیث عجن کے ضعف پر ایک

مضمون مولانا ابو محمد عبدالستار الحماد صاحب کے جواب میں تحریر فرمایا تھا جو ہفت روزہ "الاعتصام" (۲۵، نومبر ۱۹۹٤ ص ۱۰) میں شائع ہوا تھا۔

(۴) اسی طرح مولانا محمد رفیق سلفی صاحب نے بھی اس حدیث کی تضعیف پر ایک مضمون تحریر کیا جو "الاعتصام" (۹ ستمبر ۱۹۹۳ء) میں شائع ہوا۔

نوٹ :۔ مولانا رفیق سلفی صاحب کے مضمون کا جواب جناب عبدالستار صاحب نے دیا اور اسکا جواب الجواب جناب محب اللہ شاہ صاحبؒ نے دیا لیکن محب اللہ شاہ صاحبؒ کے جواب میں کوئی جواب نہیں آیا (واللہ اعلم)

(۵) مولانا خواجہ محمد قاسم صاحبؒ نے بھی اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے اور اس پر ضروری تفصیل بھی بیان کی ہے (قد قامت الصلوٰۃ ص ٤٥-٣٤٣)

(٦) شیخ العرب والعجم السید بدیع الدین شاہ الراشدیؒ اس حدیث کو شاذ قرار دیتے تھے۔ راقم الحروف نے جب علامہ البانی کی تحسین کا ذکر کیا تو فرمایا کہ "البانی کی تحسین پر ہمارا دل مطمئن نہیں" نیز البانی صاحب کی تحسین پر تعجب بھی فرماتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ شاہ صاحبؒ حدیث جن پر عمل نہیں کرتے تھے۔

(۷) محدث العصر علامہ سلطان محمود صاحب جلال پوری بھی اس حدیث کو ضعیف قرار دیتے تھے۔

فضیلۃ الشیخ جناب خلیل الرحمن لکھوی صاحب، جناب مولانا ضیاء الحق بھٹی صاحب، مولانا داؤد شاکر صاحب، مولانا عبدالحکیم صاحب فرماتے ہیں کہ محدث العصر علامہ سلطان محمود صاحب کو تقریب بخاری کے موقع پر جامع ابی بکر الاسلامیہ کراچی میں مدعو کیا گیا۔ تقریب میں درس بخاری کے اختتام پر طلباء نے سوالات کیے۔ ان سوالات میں ایک سوال حدیث جن کے متعلق بھی تھا۔ آپ نے حدیث جن کے متعلق جو جواب دیا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حدیث جن ضعیف ہے اور اسپر عمل درست نہیں۔ عمومی حدیث (کہ تمام اعضاء قبلہ رخ ہوں) کے مطابق ہاتھوں کو کھول کر

سیدھے قبلہ رخ کر کے اٹھانا چاہیے۔

حدیث جن کو اور بھی بہت سے علماء نے مردود قرار دیا ہے مگر یہاں انکا احاطہ کرنا مقصود نہیں، مقصود صرف مغالطہ کا ازالہ ہے اور ویسے بھی اجماع و دلائل کی ہوتی ہے اہل علم کے اقوال تو محض تائید میں پیش کیے جاتے ہیں۔

☆☆☆

آخری کلمات

ہم نے جو کچھ تحریر کیا ہے وہ محض اللہ کی رضا کیلئے ہے۔ اس کا مقصد نہ تو کسی کی عزت نفس کو مجروح کرنا ہے اور نہ ہی کسی کی دل آزاری۔ امام البانی کی تحقیق کے متعلق ہم نے جو معروضات پیش کی ہیں وہ بھی اخلاص پر مبنی ہیں۔ اس سے نعوذ باللہ امام البانی کی تحقیر یا توہین مقصود نہیں۔ ہم تو اسکا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ ہماری اس تحریر میں جو حقائق ہیں وہ محض اللہ تعالیٰ ہی کی توفیق سے ہیں اور جو لغزش یا کوتاہیاں ہیں وہ بندہ ناچیز کی طرف سے ہیں جن سے میں رجوع کرتا ہوں اور خالق کائنات سے استغفار کرتا ہوں۔

دعا ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہماری خطاؤں سے درگذر فرمائے اور عدل و انصاف پر قائم رہنے اور اخلاص کے ساتھ قرآن و سنت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

وهو تعالى حسبنا و نعم الوكيل

☆☆☆

المراجع و المصادر

(١) الارشاد الى معرفة علماء الا مصار لأبي يعلى الخليلي
(٢) ارشاد الفحول للشوكاني
(٣) ارواء الغليل في تخريج احاديث منار السبيل للالباني
(٤) إسبال المطر على قصب السكر للصنعاني
(٥) الاصابه في تميز الصحابه لا بن حجر
(٦) الاعتصام (هفت روزه جريده)
(٧) الاكمال بمن في مسند احمد من الرجال للحسيني
(٨) الفية الحديث . للعراقي
(٩) الام للشافعي
(١٠) التاريخ الكبير للبخاري
(١١) تحقيق المشكاة للالباني
(١٢) تدريب الراوي للسيوطي
(١٣) تذنيب لا مير على حنفي
(١٤) الترغيب و الترهيب للمنذري
(١٥) التعارض و الترجيح، للشيخ عبداللطيف
(١٦) تعجيل المنفعة لا بن حجر
(١٧) تعليقات الدار قطني على المجروحين للدار قطني
(١٨) التعليق على فوائد المجموعة للشيخ عبدالرحمٰن لمعلمي اليماني
(١٩) تقريب التهذيب لابن حجر. طبع لاهور
(٢٠) التقريب والتيسير للنووي
(٢١) تلخيص الحبير لابن حجر
(٢٢) تلخيص المستدرك للذهبي
(٢٣) تمام المنة في التعليق على فقه السنة للالباني
(٢٤) توضيح القاري في فتح الباري للشيخ ثناء الله الزاهدي
(٢٥) التوسل انواعه واحكامه للالباني
(٢٦) تهذيب التهذيب لا بن حجر
(٢٧) تيسير مصطلح الحديث للدكتور محمود الطحان
(٢٨) الثقات لابن حبان
(٢٩) الجرح والتعديل لابن ابي حاتم
(٣٠) ذب ذبا باب الدراسات للشيخ عبداللطيف السندي
(٣١) الرفع و التكميل للشيخ عبد الحي اللكنوي
(٣٢) الحاشية على شرح النخبة لعبدالله بوتكي
(٣٣) الحاشية على الكاشف لسبط ابن العجمي

(٣٤) سراج المتقين في صفة الصلاة خاتم المرسلين للشيخ فوزي بن عبدالله الاثري
(٣٥) سلسلة الاحاديث الصحيحة للالباني
(٣٦) سلسلة الاحاديث الضعيفة للالباني
(٣٧) سؤالات عثمان بن شيبة لعلي بن المديني في الجرح و التعديل
(٣٨) السنن لا بن ماجة
(٣٩) السنن للترمذي تحقيق احمد شاكر
(٤٠) السنن للدارقطني مع التعليق المغني
(٤١) السنن للدارمي
(٤٢) السنن للنسائي
(٤٣) السنن لابي داؤد مع مختصر المنذري
(٤٤) السنن الكبرى للبيهقي
(٤٥) شرح نخبة الفكر لا بن حجر
(٤٦) الصحيح لا بن حبان
(٤٧) الصحيح لابن خزيمة
(٤٩) الصحيح للبخاري مع فتح الباري
(٥٠) الصحيح لمسلم مع شرح النووي
(٥١) الضعفاء والمتروكين للدارقطني
(٥٢) ضعيف الجامع الصغير للالباني
(٥٣) ضعيف سنن ابن ماجة للالباني
(٥٤) ضعيف سنن ابي داؤد للالباني
(٥٥) ضعيف سنن الترمذي للالباني
(٥٦) ضوابط الجرح والتعديل للشيخ عبدالعزيز بن محمد
(٥٧) ظلال الجنة في تخريج كتاب السنة للالباني
(٥٨) غاية المرام في تخريج احاديث الحلال و الحرام للالباني
(٥٩) غريب الحديث لابي اسحاق الحربي
(٦٠) فتح الباري شرح صحيح البخاري لابن حجر العسقلاني. ط. دار الريان
(٦١) فتح المغيث للسخاوي
(٦٢) قواعد التحديث للشيخ محمد جمال الدين القاسمي
(٦٣) قواعد في علوم الحديث للتهانوي
(٦٤) الكاشف للذهبي
(٦٥) لا جديد في احكام الصلاة للشيخ بكر بن عبدالله ابو زيد
(٦٦) لسان الميزان لابن حجر
(٦٧) لغات الحديث للشيخ وحيد الزمان
(٦٨) مجمع الزوائد و منبع الفوائد للهيثمي
(٦٩) مختصر سنن ابي داؤد للمنذري
(٧٠) المستدرك للحاكم
(٧١) المسند للامام احمد مع فتح الرباني
(٧٢) المصنف لعبدالرزاق الصنعاني
(٧٣) المعجم الاوسط للطبراني

(٧٤) معرفت علوم الحديث للحاكم
(٧٥) مقدمة لابن الصلاح
(٧٦) المنجد
(٧٧) ميزان الاعتدال للحافظ الذهبي
(٧٨) هدى الساري مقدمة فتح الباري لابن حجر

☆☆☆